تفسیر
سورۃ التوبہ

۹ ۔ سُوْرَۃُ التَّوبہ

نام آیت ۱۱۷ اور ۱۱۸ میں قبولیت توبہ کی بشارت سنائی گئی ہے، اس مناسبت سے اس سورہ کا نام "التوبہ" ہے۔ اس کا دوسرا نام "براۃ" بھی ہے اس لحاظ سے کہ پہلی ہی آیت میں عہد شکنی کرنے والے مشرکین کے معاہدوں سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول یہ سورہ ۸؁ھ اور ۹؁ھ کے دوران مختلف مواقع پر مختلف اجزاء کی شکل میں نازل ہوئی ہے۔ مضامین پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۸؁ھ میں جب مشرکین نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑ دیا، تو آیات ۱۳ تا ۲۴ نازل ہوئیں۔ غزوۂ تبوک (رجب ۹؁ھ سے کچھ پہلے آیات ۲۹ تا ۳۵ اور پھر اس کی تیاری کے سلسلہ میں آیات ۳۸ تا ۴۱ نازل ہوئیں۔

تبوک سے واپسی پر آیات ۴۲ تا ۱۲۷ نازل ہوئیں۔ ان میں سے متعدد آیات تو واپسی کے سفر ہی میں نازل ہوئی تھیں اور زیادہ تر آیتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کے بعد وقفہ وقفہ سے نازل ہوئی ہیں۔ ذی قعدہ ۹؁ھ میں جب آپ نے حضرت ابوبکر کو امیر بنا کر حج کے لئے روانہ کر دیا تو آیات ۱ تا ۱۲ اور ۲۵ تا ۲۸ نیز ۳۶، ۳۷ نازل ہوئیں۔ آپ نے حضرت علی کو ان کے پیچھے بھیجا، تاکہ وہ حج کے موقع پر سورۂ براءۃ کا ابتدائی حصہ، جو آیت ۱ تا ۳۷ پر مشتمل ہے اور جس میں اہم اعلانات ہیں لوگوں کو سنائیں۔

آخری دو آیتیں ۱۲۸ اور ۱۲۹ اخیر اخیر میں نازل ہوئیں ہیں غالباً ۱۰؁ھ کے اواخر میں۔

مرکزی مضمون سورۂ انفال کی طرح اس کا بھی مرکزی مضمون جہاد ہے۔ جہاد کا آغاز غزوۂ بدر سے ہوا تھا، جو سورۂ انفال کا عنوان ہے۔ اور اس کا نقطۂ عروج فتح مکہ اور غزوۂ تبوک تھا، جو سورۂ توبہ کا عنوان ہے۔ گویا یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی، جبکہ اسلام اپنی انقلابی جدوجہد کے آخری مرحلہ میں داخل ہو گیا تھا۔ اس مرحلہ میں جس رہنمائی کی ضرورت تھی، اس کا سامان اس میں کیا گیا۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۲۸ میں مشرکین عرب کو جن پر اسلام کی حجت پوری طرح قائم ہو گئی تھی۔ اور متعدد قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے بھی ہوئے تھے۔ لیکن اسلام دشمنی میں وہ ان معاہدوں کی صریح خلاف ورزی کر رہے تھے۔ آخری طور سے چیلنج کیا گیا ہے کہ اب اسلام کے سوا کوئی چیز ان سے قبول نہیں کی جائیگی۔ البتہ جن قبائل کے ساتھ مسلمانوں نے مقررہ مدت کے لئے معاہدہ کر رکھا تھا۔ اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی، ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ان کا معاہدہ مدت پوری ہونے تک برقرار رہے گا۔ لیکن اس کے بعد اس کی تجدید نہیں کی جائے گی۔ جو قوم اتمام حجت کے بعد بھی رسول کے خلاف تلوار اٹھائے اس کے لئے اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے۔ یہ مٹانا قدرتی حوادث کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے اور رسول کے ساتھیوں کی تلوار کے ذریعے بھی۔ مشرکین عرب کے معاملہ میں اللہ کا فیصلہ یہ ہوا کہ تلوار کے ذریعہ ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس لئے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ جہاد کے اس آخری مرحلہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور پوری قوت کے ساتھ تلوار سنبھال لیں۔

آیت ۲۹ تا ۳۵ میں اہل کتاب کے تعلق سے اسلامی ریاست کی پالیسی واضح کی گئی ہے۔ نیز ان کی اسلام دشمنی کے اسباب کو بے نقاب کرتے ہوئے ان کو اپنے آخری انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

آیت ۳۶ تا ۳۷ میں ماہ اور سال کے سلسلہ میں قدرتی جنتری کی اتباع کرنے اور محترم مہینوں کا احترام ملحوظ رکھنے نیز مشرکوں کی من گھڑت جنتری کو رد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ گویا ان دو آیتوں کی حیثیت ان احکام پر جو مشرکین کے سلسلہ میں اوپر بیان ہوئے ایک ضمیمہ کی ہے۔

آیت ۳۸ تا ۴۱ غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئیں ہیں اوران میں مسلمانوں کو جہاد کے لئے نکلنے پر ابھارا گیا ہے۔

آیت ۴۲ تا ۷۰ غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی ہیں۔اوران میں منافقین پر جو جہاد سے جی چرا رہے تھے سخت گرفت کی گئی ہے۔اور موقع کی مناسبت سے آیت ۶۰ میں صدقات کے مصارف بیان کئے گئے ہیں۔

آیت ۷۱ اور ۷۲ میں سچے اہل ایمان کو کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

آیت ۷۳ تا ۸۷ میں منافقین کے ساتھ سختی برتنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ساتھ ہی ان کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ اگر واقعی ان کو خدا اوراس کے رسول سے لگاؤ ہے تو وہ اپنے طرز عمل کی اصلاح کریں،ورنہ ان کے رویہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ اپنے دعوئے ایمان میں جھوٹے ہیں۔

آیت ۸۸ اور ۸۹ میں رسول کے مخلص ساتھیوں کی قربانیوں کی قدر کرتے ہوئے انہیں کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔

آیت ۹۰ میں بدوعربوں کو منافقانہ طرز عمل اختیار کرنے پر سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔

آیت ۹۱ اور ۹۲ میں واقعی عذر کی بنا پر جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کو تسلی دی گئی ہے، کہ ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، بشرطیکہ وہ اللہ اوراس کے رسول کے سچے وفادار بن کر رہیں۔

آیت ۹۳ تا ۹۶ میں جہاد سے جی چرانے والوں کے جھوٹے عذرات کی قلعی کھول دی گئی ہے۔

آیت ۹۷ تا ۱۰۱ میں بتایا گیا ہے کہ بدوی عربوں میں منافق قسم کے لوگ بھی ہیں اور مخلص مؤمن بھی۔منافقانہ رویہ اختیار کرنے والوں کو ان کے بُرے انجام کی خبر دی گئی ہے۔اور مخلص مؤمنوں کو اللہ کی رحمت میں داخل ہونے کی بشارت۔پھر جب رحمت کا ذکر ہوا تو جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں سب سے پہلے سبقت کی تھی ان کی قربانیوں کی پوری پوری قدر کرتے ہوئے، نیز ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی تحسین کرتے ہوئے، انہیں عظیم کامیابی کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے۔

آیت ۱۰۲ تا ۱۰۶ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اہل ایمان میں سے تھے لیکن ان سے قصور سرزد ہوئے تھے۔

آیت ۱۰۷ تا ۱۱۰ میں منافقوں کی ایک خاص سازش کو بے نقاب کیا گیا ہے جو انہوں نے ایک نئی مسجد کھڑی کرنے کی آڑ میں کی تھی۔

آیت ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں مخلص مؤمنین کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور انہیں کامیابی کی خوشخبری دیدی گئی ہے۔

آیت ۱۱۳ تا ۱۱۶ میں مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت کی گئی ہے اوراس سلسلہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے۔

آیت ۱۱۷ تا ۱۱۹ میں ان لوگوں کے قصوروں کی معافی اور قبولیت توبہ کا اعلان، جنہوں نے نازک وقت میں نبی کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا، اور یہ ہدایت کہ وہ صداقت شعار لوگوں کی رفاقت اختیار کریں۔

آیت ۱۲۰ تا ۱۲۲ میں اہل مدینہ اور اطراف کے بدوی عربوں کو رسول کے ساتھ کامل وفاداری اور جاں نثاری کا طریقہ اختیار کرنے، نیز دین کا فہم حاصل کرنے کی ہدایت۔

آیت ۱۲۳ میں اہل ایمان کو اپنے گردوپیش کے کفار سے جنگ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

آیت ۱۲۴ تا ۱۲۷ میں منافقوں کے بارے میں آخری بات کہی گئی ہے۔

آیت ۱۲۸ تا ۱۲۹ خاتمہ کلام ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تعلق سے آخری بات ارشاد ہوئی ہے۔یعنی یہ بات کہ رسول تمہارا سچا بہی خواہ ہے اس کی قدر جانو کہ اس میں تمہاری اپنی بھلائی ہے۔

سورہ کا آغاز بغیر بسم اللہ کے

قرآن کی ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوا ہے۔لیکن اس سورہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہیں ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی اس لئے اس کو مصحف میں نہیں لکھا گیا۔ اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا، اسی طرح محفوظ ہے۔ صحابہ کرام نے اس کی کتابت میں غایت درجہ احتیاط برتی ہے اور وہ نسلاً بعد نسلٍ جوں کا توں منتقل ہوتا رہا ہے۔ رہی اس کی حکمت تو جس طرح ہر سورہ اپنی خصوصیات میں منفرد ہے، اسی طرح اس سورہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک تلوار بے نیام ہے، جو ان لوگوں پر گرا چاہتی ہے جنھوں نے قرآن کے سارے مضامین سن لینے کے بعد اس کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور حاملین قرآن کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔

واضح رہے کہ سورہ توبہ نزول کے اعتبار سے بجز سورۂ نصر کے قرآن کی آخری سورہ ہے۔

سورہ برآءت اور قرآن کی ترتیب

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ مصحف میں سورتوں کی ترتیب وہی ہے جو نبی ﷺ نے وحیٔ الٰہی کے ذریعہ قائم فرمائی تھی اور ترتیب کا یہ کام ٹھیک اس ارشاد الٰہی کے مطابق ہوا جس میں فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ "اس کو جمع کرنا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے" (القیامۃ۔۱۷)

اس لئے جن روایتوں میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا نہیں تھا کہ سورہ برآءت کو کہاں رکھنا ہے۔ اور حضرت عثمان نے سورہ انفال سے اس کی مناسبت دیکھ کر اس سورہ کے بعد اس کو رکھا۔ تو یہ روایتیں قابل قبول نہیں ہیں، کیوں کہ اس سے کچھ دوسرے سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ امام رازی نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ حکم دیا تھا کہ اس سورہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھا جائے۔ اور آپ نے وحی ہی کی بنا پر اس سورہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو حذف فرمایا تھا۔" (التفسیر الکبیر ج ۱۵ ص ۲۱۶)

اور جب سورتوں کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی، تو ہمیں اس میں تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے۔ موجودہ دور میں بعض لوگ اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے قرآن کی موجودہ ترتیب سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ ان کو نزولی ترتیب پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کا یہ خیال ایک نئے فتنہ کو دعوت دینے سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

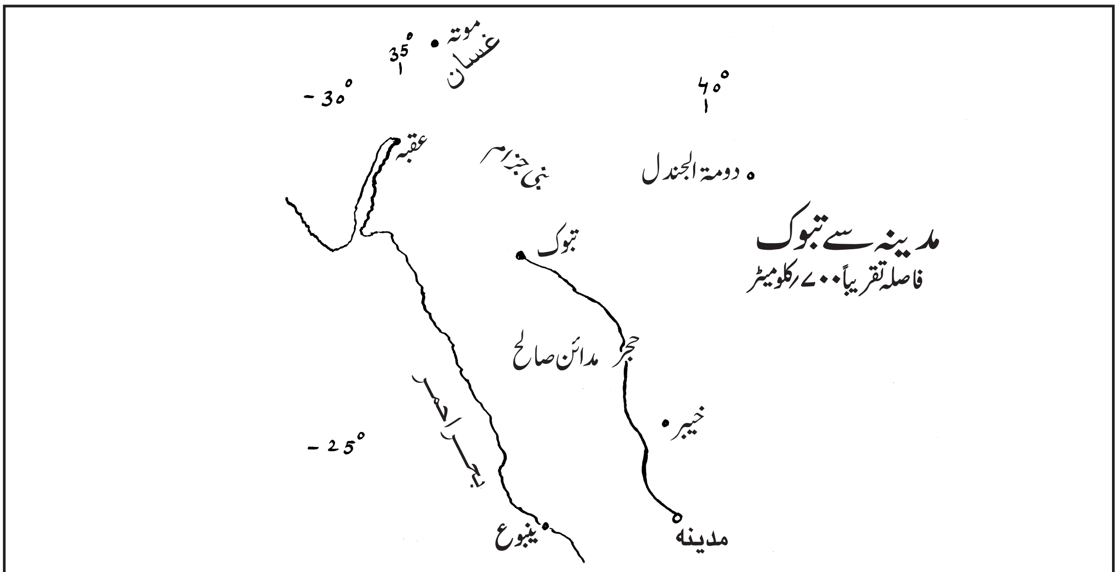

سُوْرَةُ التَّوْبَة

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ
وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۲

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ
اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۳

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ
عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۴

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا
لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ
اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۵
وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ
كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَّا يَعْلَمُوْنَ ۶
كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ
اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا
لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۷

۹۔ سُوْرَةُ التَّوْبَة

آیات:۱۲۹

۱ بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے، جن سے تم نے معاہدے کئے تھے۔ ۱؎

۲ اب تم زمین میں چار مہینے چل پھر لو ۲؎ اور جان رکھو کہ تم اللہ کو شکست نہیں دے سکتے، اور اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ ۳؎

۳ اور لوگوں کیلئے اعلانِ عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن ۴؎، کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی ۵؎۔ اگر اب بھی تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر نہیں مانتے تو جان رکھو تم اللہ کے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ اور (اے پیغمبر!) کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

۴ البتہ وہ مشرکین اس سے مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے اور اس کے بعد انہوں نے اس کو نباہنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی۔ ایسے لوگوں کے معاہدے کو ان کی مدت ختم ہونے تک پورا کرو ۶؎۔ کہ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ ۷؎

۵ پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں ۸؎ تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو ۹؎ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی تاک میں بیٹھے رہو ۱۰؎۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو ۱۱؎۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۶ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے امان طلب کرے تو اسے امان دیدو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے ۱۲؎۔ پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔

۷ ان مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ بجز ان لوگوں کے ۱۳؎ جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا ۱۴؎۔ تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، کہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۱؎ نبی ﷺ نے متعدد قبائل سے صلح کے معاہدے کئے تھے لیکن ان میں سے اکثر قبائل معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہے تھے اس لئے ایسے تمام معاہدوں کے ختم ہونے کا اعلان کیا گیا۔

۲؎ ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تا کہ اس مدت میں وہ اپنے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرلیں۔ یا تو شرک اور بت پرستی کو ترک کردیں۔ یا پھر جنگ کیلئے تیار ہوجائیں۔

۳؎ یعنی اللہ نے مشرکین کو رسوا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اس لئے جو لوگ اخیر وقت تک شرک پر قائم رہیں گے اللہ کا یہ فیصلہ ان پر نافذ ہو کر رہے گا۔ وہ کتنی ہی طاقت لگائیں اللہ کے فیصلے کو اپنے اوپر نافذ ہونے سے روک نہیں سکتے اور تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کا فیصلہ مشرکین عرب پر نافذ ہو کر رہا۔

۴؎ لفظ اکبر حج کی صفت ہے جو اسے عمرہ سے جسے ''حج اصغر'' کہا جاتا تھا ممتاز کرتی ہے نیز یہ صفت حج کے عظیم اجتماع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

یہ اجتماع عرفات میں بھی ہوتا ہے اور منیٰ میں بھی لیکن یہاں حج اکبر کے دن سے مراد ''یوم النحر'' یعنی ۱۰ رذی الحجہ ہے اس روز منیٰ میں حج کا اجتماع ہوتا ہے اور چونکہ قریش عرفات نہیں جایا کرتے تھے اسلئے اس اعلان کیلئے جو حج کے موقع پر کرنا تھا منیٰ ہی کا دن موزوں ہوسکتا تھا جسمیں ہر قسم کے مشرک شریک ہوتے تھے۔

آج کل مسلمان عرفات کا دن اگر جمعہ کو پڑتا ہے تو اسے حج اکبر سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ اس آیت کی رو سے ہر حج، حج اکبر ہی ہے کیونکہ یہ حج کی مستقل صفت ہے۔

۵؎ بری الذمہ ہونے کا یہ اعلان ان مشرکین کے بارے میں ہے جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا اور اللہ اور اس کے رسول کے بری الذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب ان کے لئے نہ اللہ کے قانون میں کوئی امان ہے اور نہ اس کے رسول کی طرف سے ان کی جانوں کی کوئی ضمانت۔ صلح اور معاہدہ کا دور گزر چکا۔ اب یا تو انہیں مشرکانہ روش سے باز آنا ہوگا یا پھر ان کے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی۔

یہ اعلان ۹ھ میں حج کے موقع پر یعنی ۱۰ رذی الحجہ کو منیٰ میں کیا گیا۔ اس وقت مشرکین نے اپنے طریقے پر حج کے مراسم ادا کئے تھے اور مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر حج کیا تھا۔ یہ حج حضرت ابوبکر کی قیادت میں ہوا تھا اور حضرت علی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار باتوں کا اعلان کیا تھا۔

۱ جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جو ایمان نہ لایا ہو۔

۲ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکے گا۔

۳ اور نہ کوئی برہنہ حالت میں کعبہ کا طواف کرسکتا ہے۔

۴ جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے مقررہ مدت تک پورا کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی کی آواز اعلان کرتے کرتے بیٹھ گئی تو میں منادی کرنے لگا۔ (تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۴۵)

۶؎ جن مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے صلح کے معاہدے ایک مقررہ مدت کے لئے ہوئے تھے اور انہوں نے ان معاہدوں کی خلاف ورزی نہیں کی تھی ان کے ساتھ مدت معاہدہ ختم ہونے تک وفا کرنے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ یہ قبیلے خزاعہ، بنوضمرہ اور بنو کنانہ تھے۔

۷؎ قرآن اپنے پیروؤں کو ہر حال میں تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے خواہ معاملہ معاہدات کی پابندی کا ہو یا صلح و جنگ کا یا سیاست و اجتماعیت کا، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ انفرادی معاملات میں تقویٰ پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

۸؎ حرمت والے مہینوں کی وضاحت سورۂ بقرہ نوٹ ۲۶۹؎ میں گزر چکی ہے۔

یہاں حرمت والے مہینوں کے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس سلسلہ کا آخری مہینہ یعنی محرم گزر جائے تو ان مشرکین کی جن سے تمہارا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا تلوار سے خبر لو۔

واضح رہے کہ آیت ۲ میں چار ماہ کی جو مہلت دی گئی تھی وہ ان مشرکین کیلئے تھی جن کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے ہوئے تھے اور وہ انکی خلاف ورزی کر رہے تھے۔

۹۔ یہ الٹی میٹم (چیلنج) خاص طور سے مشرکین عرب کو دیا گیا تھا کیوں کہ ان کا معاملہ دوسری قوموں سے مختلف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں ہی میں سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو رسول بنا کر اٹھایا تھا اور ان کی اپنی زبان عربی میں کتاب نازل فرمائی تھی اس لئے ان پر حق بدرجۂ اتم واضح ہو گیا تھا اور اللہ کی یہ سنت ہے کہ جب اس کے رسول کے ذریعہ کسی قوم پر حجت پوری طرح قائم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لاتی تو وہ اسے تباہ کر دیتا ہے کیونکہ اللہ سے بغاوت پر ان کا یہ اصرار انہیں اللہ کی زمین پر جینے کے حق سے محروم کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ مُردہ ہوتے ہیں اور مُردوں کے لئے جگہ زمین کے اوپر نہیں بلکہ زمین کے نیچے ہے۔ اس لئے دو صورتوں میں سے ایک صورت لازماً ان کو پیش آتی ہے یا تو ان پر آسمانی عذاب نازل ہوتا ہے جو ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے جیسا کہ قوم عاد اور ثمود وغیرہ پر نازل ہوا یا پھر رسول کے ساتھیوں کے ہاتھوں ان کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔ مشرکین عرب کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہ ہوا کہ ان کی بڑی تعداد کو ایمان کی توفیق نصیب ہوگی اور جو قلیل تعداد شرک پر قائم رہے گی اس کا خاتمہ اصحاب رسول کی تلوار کے ذریعہ ہوگا۔

جو لوگ ان آیات کے پس منظر اور موقع محل کو سامنے نہیں رکھتے وہ اس حکم کو دیکھ کر کہ "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو" یہ نتیجہ اخذ کرنے لگتے ہیں کہ قرآن مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ دنیا کے جس ملک میں رہتے ہوں وہاں کے مشرکین کو جہاں پائیں قتل کریں خواہ ان پر اللہ کی حجت قائم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور خواہ حالت امن کی ہو یا جنگ کی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جو خاص طور سے ہندوستان کے غیر مسلمین میں پائی جاتی ہے۔ اس کا ازالہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ آیت کے موقع محل کو سامنے رکھ کر اس کے مدعا کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

۱۰۔ یعنی ان کے خلاف اقدام کرو اور جنگی کارروائی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔

۱۱۔ یعنی یہ مشرکین اگر شرک اور بت پرستی سے توبہ کر کے اسلام قبول کرتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کے ثبوت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگتے ہیں تو پھر ان سے تعرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ نہ تو ان سے پچھلی باتوں پر مواخذہ کیا جائے اور نہ انہیں کوئی تکلیف پہونچائی جائے۔

نبی ﷺ کی وفات کے بعد جب عرب کے بعض قبائل نے جو مسلمان ہو گئے تھے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے اسی آیت کے پیش نظر ان کے خلاف تلوار اٹھائی تھی اور فرمایا تھا کہ جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے میں ان سے ضرور لڑونگا۔ (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ)

اس سے نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت کا ایک اور پہلو واضح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام میں ان دو عبادتوں کو قانون کا درجہ بھی حاصل ہے اور ایک اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اس قانون کو بزور نافذ کرے۔

آج مسلمانوں میں نماز اور زکوٰۃ کے معاملہ میں جو عام غفلت پائی جاتی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کو غفلت سے چونکا دینے کیلئے کوئی تازیانہ نہیں ہے۔

۱۲۔ اگر کوئی مشرک جنگ کے دوران بھی قرآن سننے اور سمجھنے کی غرض سے امان طلب کرتا ہے تو اسے امان دینا اور بعد میں اس کو بحفاظت اسکے امن کی جگہ تک پہنچانا مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین سے اسلام کی جنگ ایک نہایت ہی پاکیزہ مقصد کیلئے ہے قوم دشمنی اور ملک گیری کیلئے نہیں ہے۔

اس آیت سے ضمناً یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دعوت و تبلیغ کی غرض سے غیر مسلموں کو قرآن سے متعارف کرانا، اس کو سمجھنے کی ترغیب دینا اور اس کی آیات کے معنی ان کی زبان میں پیش کرنا نہایت اہم اور ضروری کام ہے تاکہ وہ اپنے رب کے کلام کو سمجھ سکیں۔

۱۳۔ یہ جملہ معترضہ ہے یعنی ایک سلسلہ بیان کو منقطع کر کے دوسری بات کہی گئی ہے۔ سلسلہ بیان کے لحاظ سے حکم ان مشرکین کا بیان کیا جا رہا تھا جن کے ساتھ عہد برقرار نہیں رہا۔ لیکن جملہ معترضہ کے ذریعہ اس حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا جنہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔

۱۴۔ مسجد حرم کے پاس سے مراد حدیبیہ ہے جو حدود حرم میں داخل ہے۔ ذی قعدہ ۶ھ میں مدینہ کے مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔ اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ عرب قبائل میں سے جو قبیلہ جس فریق کا حلیف بننا چاہے بن سکتا ہے۔ اس موقع پر قبیلۂ خزاعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بن گیا۔ اگرچہ ۸ھ کے اوائل میں قریش نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تھا اور اس کے بعد رمضان ۸ھ میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا لیکن خزاعہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا وہ برقرار رہا اور انہوں نے چونکہ اس کی خلاف ورزی نہیں کی تھی اس لئے یہاں ہدایت کی گئی کہ جب تک وہ اس پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔

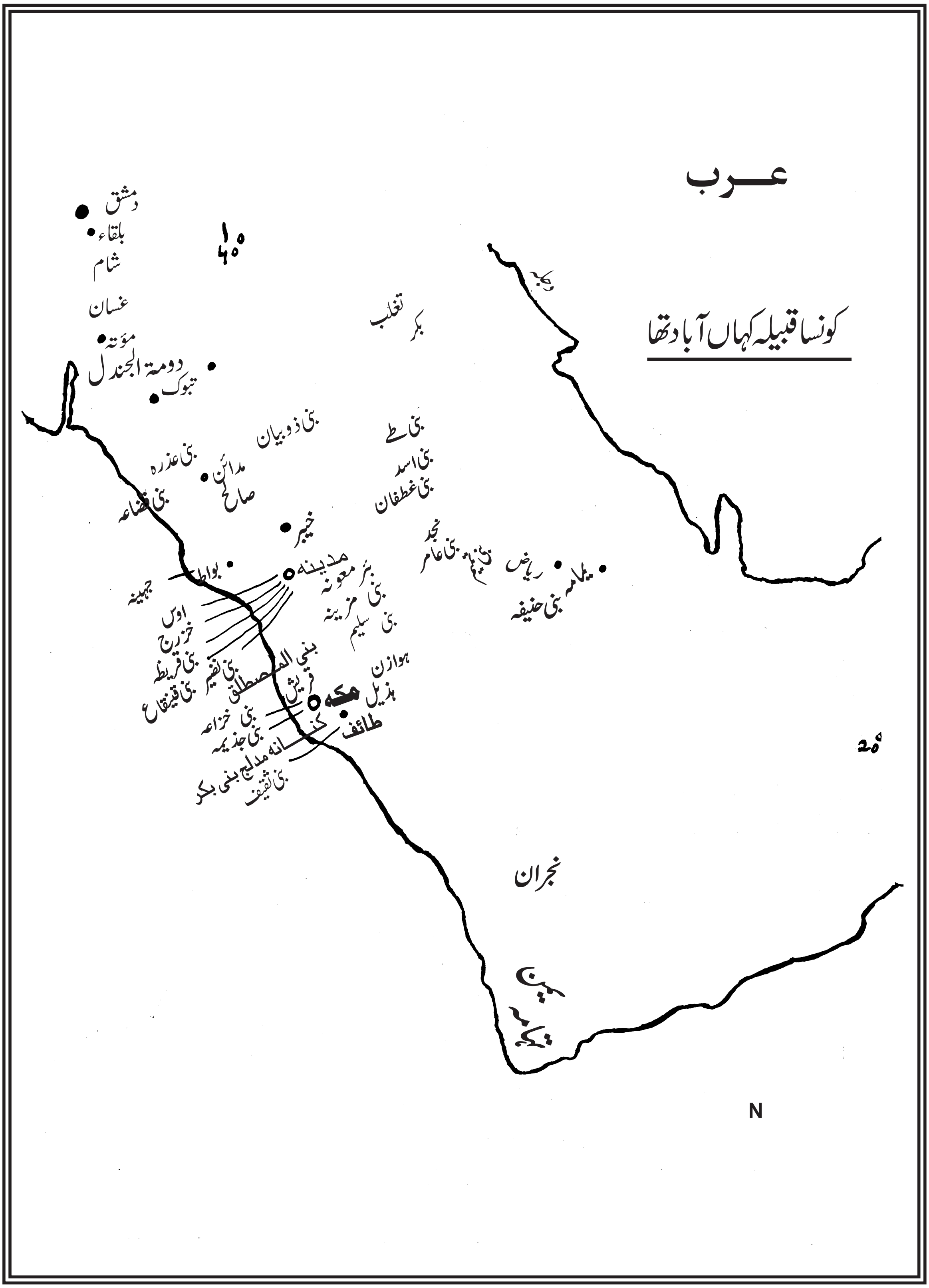
عــرب
کونسا قبیلہ کہاں آباد تھا
دمشق
بلقاء
شام
غسان
مؤتہ
دومۃ الجندل
تبوک
۴۰°
بکر تغلب
دجلہ
بنی ذوبیان
بنی عذرہ
مدائن صالح
بنی قضاعہ
بنی طے
بنی اسد
بنی غطفان
خیبر
نجد
بنی عامر
بنی تمیم
ریاض
یمامہ
بنی حنیفہ
مدینہ
بواط
جہینہ
بئر معونہ
بنی مزینہ
بنی سلیم
اوس
خزرج
بنی قریظہ
بنی قینقاع
بنی نضیر
بنی المصطلق
قریش
ہوازن
ہذیل
مکہ
طائف
بنی خزاعہ
بنی جذیمہ
کنانہ مدلج بنی بکر
بنی ثقیف
۲۰°
نجران
یمن
تہامہ
N

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ۸

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۱۰

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۱۱

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۱۲

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۱۳

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۱۴

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۱۵

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۶

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۱۷

۸ (ان کے سوا دوسرے مشرکین کا عہد) کس طرح باقی رہ سکتا ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر قابو پائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا ۱۵؎۔ وہ اپنی زبان سے تم کو خوش کرنے کی باتیں کرتے ہیں مگر انکے دل اس سے انکاری ہیں اور ان میں زیادہ تر لوگ فاسق ہیں۔ ۱۶؎

۹ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلہ حقیر قیمت قبول کر لی ۱۷؎ اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے ۱۸؎۔ بہت بری حرکت ہے جو یہ کرتے رہے ہیں۔

۱۰ کسی مؤمن کے معاملہ میں نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا۔ یہی لوگ ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔ ۱۹؎

۱۱ لیکن اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ۲۰؎۔ اور ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں۔ ۲۱؎

۱۲ اور اگر یہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں ۲۲؎ اور تمہارے دین پر طعنہ زنی کرنے لگیں ۲۳؎ تو کفر کے پیشواؤں (لیڈروں) سے لڑو ۲۴؎ کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں (ان سے لڑو) تاکہ وہ باز آجائیں۔

۱۳ کیا تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا ۲۵؎ اور رسول کو (اس کے وطن) سے نکالنے کا قصد کیا ۲۶؎ اور تمہارے خلاف جنگ کرنے میں پہل کی؟ ۲۷؎ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مؤمن ہو تو (تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ) اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

۱۴ ان سے جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دے گا ۲۸؎ اور انہیں رسوا کرے گا اور ان پر تم کو غالب کرے گا ۲۹؎ اور ایمان رکھنے والوں کے دل ٹھنڈے کرے گا۔ ۳۰؎

۱۵ اور ان کے دلوں کی جلن دور کرے گا ۳۱؎۔ اور اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق بخشے گا۔ ۳۲؎ اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

۱۶ کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تو یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کن لوگوں نے جہاد کیا۔ ۳۳؎ اور اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے سوا کسی کو اپنا معتمد نہیں بنایا، ۳۴؎ تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

۱۷ مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں۔ ۳۵؎ ان کے سارے عمل ضائع ہو گئے ۳۶؎۔ اور دوزخ میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۱۵۔ عرب میں قبائلی سسٹم رائج تھا اس لئے اجتماعی معاملات میں رشتہ داری کے تعلقات کو بڑا دخل ہوتا تھا اور دوسری چیز جو بین القبائلی تعلقات کو درست رکھنے میں معاون ہوتی تھی وہ باہمی امن وصلح کے معاہدے تھے۔ لیکن مشرکین نے اسلام دشمنی میں ایسا رویہ اختیار کیا تھا کہ نہ معاشرتی تعلقات کو خاطر میں لاتے اور نہ معاہدہ کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے بلکہ جب بھی موقع ملتا مسلمانوں کے خلاف کوئی نہ کوئی حرکت کر گزرتے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کا ان سے کئے ہوئے معاہدہ کو باقی رکھنا مشکل تھا کیونکہ کوئی بھی معاہدہ قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ دونوں فریق اس کو نباہنے کی کوشش نہ کریں۔

۱۶۔ یہاں فاسق سے مراد عہد شکن لوگ ہیں۔

۱۷۔ یعنی اللہ کی آیتوں میں دوجہاں کی دولت چھپی ہوئی تھی مگر ان ناقدروں نے دنیا کے حقیر فائدوں کو ترجیح دی اور اپنے کو بہت بڑے خیر سے محروم کر لیا۔

۱۸۔ اور جب دنیا کا مفاد ہی اصل نصب العین ٹھہرا تو دین کی دعوت کو وہ کیونکر برداشت کر سکتے تھے جو آخرت کو نصب العین بنانے کے لئے دی جا رہی تھی اس لئے وہ اس راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے۔

۱۹۔ آیت ۸ میں اہل ایمان کے گروہ کے ساتھ مشرکین کے رویہ کا ذکر ہوا تھا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کسی بھی مؤمن کے معاملہ میں انہیں نہ قرابت کا لحاظ ہے اور نہ عہد کا پاس بلکہ انہوں نے صریح جارحانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

۲۰۔ یعنی ان تمام مخالفانہ حرکتوں کے باوجود اگر وہ توبہ کر کے اسلام قبول کر لیتے ہیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ انہوں نے مشرکانہ دین کو ترک کر کے دین توحید کو اپنا لیا ہے۔ اس لئے اب تمہارا ان کا رشتہ دینی بھائیوں کا ہوگا۔

واضح ہوا کہ اسلامی برادری میں مسلم اور نومسلم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ معاشرتی درجہ سب کا یکساں ہے۔

۲۱۔ یعنی مشرکین کے بارے میں نہایت وضاحت کے ساتھ احکام بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکیں گے جو جانتے ہیں کہ ہدایت کا سرچشمہ اللہ کی آیتیں ہیں نہ کہ کوئی اور چیز۔ علم کی روشنی میں چلنے والے قدم قدم پر اللہ کی آیتوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں لیکن جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے اس سے محروم رہتے ہیں۔

۲۲۔ اوپر سے جو سلسلہ بیان چلا آ رہا ہے اس میں مشرکین کے مختلف گروہوں کا حال بیان ہوا ہے اور اس کی مناسبت سے احکام دیئے گئے ہیں اس آیت میں ان کے ایک گروہ کا حال بیان کر کے ان سے جنگ کرنے پر مسلمانوں کو اُبھارا گیا ہے جو نہ صرف معاہدوں کی خلاف ورزی کر بیٹھا تھا بلکہ جس نے آگے بڑھ کر اسلام کا مذاق اڑانا شروع کر دیا تھا۔

عربوں میں معاہدہ کرتے وقت حلف لینے کا طریقہ رائج تھا تاکہ عہد پختہ ہو۔ اسی مناسبت سے یہاں قسموں کے توڑنے کا ذکر ہوا ہے۔

۲۳۔ واضح ہوا کہ دینِ اسلام پر طعنہ زنی کرنا اس کا مذاق اڑانا اور اللہ اور اس کے رسول کی توہین کرنا سراسر کفر اور سنگین جرم ہے۔

۲۴۔ یعنی جنگ میں کافروں کے لیڈروں اور پیشواؤں کو نشانہ پر رکھو کہ یہ سب سے بڑے مفسد ہیں اور تمہارا کام یہ ہونا چاہئے کہ کفر کی جڑ پر کلہاڑا چلاؤ تاکہ انسانیت کو ان سے نجات ملے۔

۲۵۔ مراد صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ) کا معاہدہ ہے جو قریش نے توڑ ڈالا تھا اس کی صورت یہ ہوئی کہ بنو بکر نے جو قریش کے حلیف تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف خزاعہ پر حملہ کر دیا جس میں قریش نے بنو بکر کی مدد کی اور جب خزاعہ کے لوگوں نے حرم میں پناہ لی تو عین حرم میں ان کو قتل کر دیا۔ خزاعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ قریش اور بنو بکر کی یہ حرکت معاہدہ کی کھلی خلاف ورزی تھی اس لئے حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ اس آیت میں ان کی اسی عہد شکنی کا ذکر ہوا ہے اور مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے پر ابھارا ہے چنانچہ رمضان ۸ھ میں غزوہ فتح مکہ پیش آیا۔

۲۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے سے پہلے قریش آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے تھے جن میں ایک سازش یہ بھی تھی کہ آپ

کو جلا وطن کر دیا جائے مگر وہ اپنے ناپاک ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ اللہ کے منصوبہ کے مطابق آپ نے مدینہ کو اس طرح ہجرت فرمائی کہ وہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ ان کے ان ہی ناپاک ارادوں کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۷۔ یعنی جنگ کے لئے پیش قدمی قریش (مشرکین مکہ) ہی نے کی اور وہی جارح بن کر بدر کے میدان میں آئے۔

۲۸۔ مکہ اور عرب کے مشرکین کے بارے میں یہ تھا اللہ تعالیٰ کا منصوبہ جسے یہاں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ان کی تباہی آسمانی عذاب کے ذریعہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی تلوار کے ذریعہ ہوگی اور قرآن کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی۔

۲۹۔ ان آیات کے نزول کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور پھر فتوحات کا سلسلہ ایسا چلا کہ دو سال کے اندر پورا عرب مسلمانوں کے زیر اقتدار آ گیا۔

۳۰۔ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تھا اور انہیں سخت اذیت پہنچائی تھی۔ اس لئے ان کے بُرے انجام کو دیکھ کر مسلمانوں کے دلوں کا ٹھنڈا ہو جانا ایک نفسیاتی بات تھی۔

۳۱۔ مسلمانوں کے دلوں میں مشرکین کے خلاف غصہ ان کے شرک اور کفر کی بنا پر تھا اس لئے ان کا خاتمہ شرک اور کفر کا خاتمہ اور توحید کی فتح تھی۔ اور یہ بات مسلمانوں کے غصہ کو فرو کرنے والی تھی۔

۳۲۔ جہاد کا یہ مثبت نتیجہ تھا جو بڑے پیمانے پر برآمد ہوا۔ جن لوگوں کے دلوں پر غفلت کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور نصیحت ان پر کارگر نہیں ہو سکی تھی میدان کارزار کو گرم ہوتا دیکھ کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اپنے برسر غلط ہونے کا احساس ان کے اندر کروٹیں لینے لگا چنانچہ بہت بڑی تعداد کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اس طرح ان کے جہنم کی آگ سے بچنے کا سامان ہوا اس سے بڑھ کر خیر خواہی ان کی کیا ہو سکتی تھی۔

اس آیت کے نزول کے بعد جن مشرکین کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی ان میں ابوسفیان جیسے لیڈر اور عکرمہ بن ابوجہل جیسی شخصیتیں شامل تھیں۔

۳۳۔ خطاب کا اصل رخ ان مسلمانوں کی طرف ہے جو ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے تھے اور جنہیں جہاد سے سابقہ پیش نہیں آیا تھا۔

۳۴۔ کفار سے دوستی کی ممانعت جن معنی میں کی گئی ہے اس کی تشریح سورہ مائدہ نوٹ ۱۶۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۵۔ یعنی مسجدیں اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں پھر جو لوگ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہیں اور خدائے واحد کی عبادت سے جنہیں انکار ہے وہ ان کو آباد کرنے کے کہاں اہل ہیں اور ان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مسجدوں کے خادم اور متولی بنیں۔ کیا وہ خدا اور بت دونوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں؟ کیسی متضاد باتیں ہیں جن کو لوگ اپنے اندر جمع کرتے ہیں۔

اگرچہ بات عمومیت کے ساتھ کہی گئی ہے تاکہ مساجد کے بارے میں ایک اصولی بات سامنے آئے لیکن یہاں خاص طور سے اشارہ مسجد حرام کی طرف ہے جس پر قریش قابض تھے۔ اور شرک کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کی خدمت اور تولیت پر فخر کرتے تھے۔

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ انفال نوٹ ۴۷۔

۳۶۔ یعنی کسی مسجد کی خدمت اللہ کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتی اگر خدمت کرنے والوں کا ذہن شرک سے پاک نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی نیکیاں اکارت جانے والی ہیں۔ اور ان کی ان خدمات کا انہیں کوئی صلہ نہیں ملے گا۔

اللہ کی مسجدوں کو آباد تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر
پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور
اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں
یہ توقع بجا ہے کہ وہ راہ یاب ہوں گے۔ (القرآن)

إنما يعمر مسجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام
الصلوة وآتى الزكوة ولم يخش إلا الله فعسى أولئك أن
يكونوا من المهتدين ⑱

أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن
آمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله
لا يستوون عند الله والله لا يهدي القوم الظالمين ⑲

الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله
بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عند الله وأولئك
هم الفائزون ⑳
يبشرهم ربهم برحمة منه ورضوان وجنات لهم فيها
نعيم مقيم ㉑
خالدين فيها أبدا إن الله عنده أجر عظيم ㉒

يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا آباءكم وإخوانكم
أولياء إن استحبوا الكفر على الإيمان ومن يتولهم
منكم فأولئك هم الظالمون ㉓
قل إن كان آباؤكم وأبناؤكم وإخوانكم وأزواجكم
وعشيرتكم وأموال اقترفتموها وتجارة تخشون
كسادها ومساكن ترضونها أحب إليكم من الله
ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى يأتي الله
بأمره والله لا يهدي القوم الفاسقين ㉔
لقد نصركم الله في مواطن كثيرة
ويوم حنين إذ أعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم
شيئا وضاقت عليكم الأرض بما رحبت ثم
وليتم مدبرين ㉕

١٨ اللہ کی مسجدوں کو آباد تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔٣٧ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ توقع بجا ہے کہ وہ راہ یاب ہوں گے۔

١٩ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے کے کام اور مسجد حرام کی خدمت کو ان لوگوں کے عمل کا درجہ دے رکھا ہے جو اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک دونوں یکساں نہیں ہیں٣٨۔ اور اللہ ظالموں پر راہ نہیں کھولتا۔٣٩

٢٠ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے٤٠۔ اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

٢١ ان کا رب انہیں خوش خبری دیتا ہے اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور ایسے باغوں کی جہاں ان کے لئے ابدی نعمت ہوگی۔٤١

٢٢ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے٤٢۔ یقیناً اللہ کے پاس (دینے کے لئے) بہت بڑا اجر ہے۔٤٣

٢٣ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو ان کو اپنا دوست نہ بناؤ٤٤۔ اور تم میں سے جو لوگ ان کو دوست بنائیں گے تو (یاد رکھو) ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

٢٤ کہو اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان اور وہ مال جو تم نے حاصل کیا ہے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔٤٥ اور اللہ نافرمانوں پر راہ نہیں کھولتا۔٤٦

٢٥ اللہ بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کر چکا ہے٤٧۔ اور حنین کے دن بھی٤٨، جب کہ تمہیں اپنی کثرت کا غرّہ تھا، مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔٤٩

۳۷۔ یعنی اللہ کی عبادت گاہوں کو صحیح معنی میں آباد کرنے والے اور اس کے انتظام اور تولیت کے صحیح معنی میں حقدار وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے اندر یہ اوصاف پائے جاتے ہیں نہ کہ مشرکین۔

اس سے چند اصولی باتیں واضح ہوئیں:۔

ایک یہ کہ مسجدوں پر کافروں کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا تسلط ہونا چاہیئے۔

دوسری یہ کہ مسجدوں کی تعمیر ان کی خدمت ان کے انتظامات اور تولیت کے کاموں کے لئے کافر ہر گز موزوں نہیں ہیں۔

تیسری یہ کہ ان کاموں کے لئے موزوں وہی لوگ ہیں جو توحید پر یقین رکھنے والے اور دین کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں۔

اور چوتھی یہ کہ کسی بھی مسجد کا متولی کسی ایسے مسلمان کو نہیں بنانا چاہیئے جس نے شرک سے دوستی کر لی ہو یا جو نماز اور زکوٰۃ سے بے پرواہ ہو یا فاسق و فاجر ہو۔

۳۸۔ قریش اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ بیت اللہ کے خادم اور اس کے متولی ہیں۔ مسجد حرام کی حفاظت حج کے انتظامات اور حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے مستقلاً ایک شعبہ کا قیام جیسی خدمات پر انہیں فخر تھا اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ان خدمات کے بعد وہ خدا کی نظر میں ناپسندیدہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان کے اسی خیال کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ یہ کام اسی صورت میں اللہ کے ہاں وزن رکھتے ہیں جب کہ آدمی اللہ سے وفاداری کا تعلق قائم کئے ہوئے ہو۔ شرک خدا سے بے وفائی اور بغاوت ہے اس لئے جو شخص شرک کرتا ہے وہ سب سے بڑا مجرم ہے اور اس کے خلاف قیامت کے دن عدالت خداوندی میں بغاوت کا مقدمہ چلایا جائے گا۔ ایسے شخص کو اس کی ''مذہبی خدمات'' پر انعام دینے کا سوال پیدا ہی کہاں ہوتا ہے؟

۳۹۔ یہاں ظالم سے مراد مشرک ہیں مطلب یہ ہے کہ مشرکین خواہ کیسی ہی ''مذہبی خدمات'' انجام دیں ان پر کامیابی کی راہ کبھی کھلنے والی نہیں۔ وہ ناکام اور نامراد رہنے والے لوگ ہیں۔

۴۰۔ یعنی اللہ کے نزدیک مشرکین کا تو کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں ہے البتہ اس کے وفادار بندوں کا۔ جنہوں نے ایمان لا کر اس کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دیں نہ صرف درجہ اور مرتبہ ہے بلکہ نہایت ہی اونچا مقام ہے۔

۴۱۔ یعنی جنت کے باغ سدا بہار ہوں گے اور وہاں کی نعمتیں لازوال ہوں گی۔

۴۲۔ یعنی اہل ایمان کو جنت میں ابدی زندگی نصیب ہوگی۔ مکاں و مکیں دونوں جاودانی۔

۴۳۔ یعنی اللہ جب اپنے مخلص بندوں کو ان کی خدمات کا صلہ دینا چاہے گا تو اس کے پاس کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے جو وہ تنگی برتے وہ زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے اس لئے اس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی۔

۴۴۔ ''اپنا دوست نہ بناؤ'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا باپ یا تمہارا بھائی اللہ کا باغی ہے اور اپنی اس کافرانہ روش کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہے تو وہ خدا کا دشمن ہے اور جو خدا کا دشمن ہو اس کو ایک مؤمن اپنا دوست کس طرح بنا سکتا ہے؟ خاص طور سے جب جہاد کا موقع ہو تو وہ رشتوں کو کس طرح خاطر میں لا سکتا ہے؟ اس وقت تو ہر اس شخص کے ساتھ جو دشمن کی صف میں شامل ہو اپنا دشمن سمجھ کر ہی معاملہ کرنا ہوگا۔

اس وقت کتنے ہی مسلمانوں کے اعزاء و اقرباء دارالکفر میں تھے اور انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اسلام اور کفر کی جنگ میں ان کی ساری ہمدردیاں نہ صرف کافروں کے ساتھ ہوتیں بلکہ ان کے ساتھ مل کر مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف جن میں ان کے بیٹے بھی ہوتے اور بھائی بھی جنگ کرنے کے لئے نکلتے یہی وہ حالات تھے جن میں مسلمانوں کو واضح طور سے یہ ہدایت دی گئی کہ وہ حق و باطل کی جنگ میں نہ باپ کو خاطر میں لائیں اور نہ بھائی کو۔

۴۵۔ ایک مسلمان کہتا تو یہی ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے لیکن جب آزمائشیں سامنے آتی ہیں تو اس کا کھرا یا کھوٹا ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ کفر و اسلام کی کشمکش میں جن جن چیزوں کو انسان محبوب رکھتا ہے ان کے بارے میں کڑی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ ایک طرف ان چیزوں

کی محبت اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور دوسری طرف دین کا تقاضا ہوتا ہے کہ بے لاگ طور پر حمایت حق کا اعلان کر دو اگر چہ اس کی زد اپنے کاروبار پر پڑتی ہو یا مثلاً یہ تقاضا ابھرتا ہے کہ کلمہ حق بلند کرنے کے لئے جان جوکھوں میں ڈال دو۔ اسی طرح کفر و اسلام کی جنگ میں اسلام، اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے آگے بڑھے اور بال بچوں، گھر بار وغیرہ کی محبت کو رکاوٹ نہ بننے دے۔ ایسے موقع پر جو شخص عمل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے وہ یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ اللہ اس کے رسول اور اس کے دین سے زیادہ کوئی چیز بھی اس کو پیاری نہ تھی۔ لیکن جو لوگ اپنے اعزاء و اقرباء اہل و عیال اور اپنے کاروبار وغیرہ کی محبت میں ایسے گرفتار ہو جاتے ہیں کہ انتہائی نازک موقع پر بھی حمایت حق کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں تا کہ ان کی ''دنیا'' آباد رہے تو ایسے لوگوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ پھر انہیں خدا کے فیصلہ کا ہی انتظار کرنا چاہیئے یعنی اپنے بُرے انجام کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

۴۶؎ یعنی جو لوگ اللہ کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں ان پر سعادت کی راہ نہیں کھلتی اس لئے ان کے حصہ میں محرومی ہی آتی ہے۔

۴۷؎ یعنی غزوۂ بدر، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، اور غزوۂ مکہ جیسے کتنے ہی نازک مواقع پر اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے۔ اور جب اس کی نصرت ماضی میں تمہارے ساتھ رہی ہے تو اب کیوں نہ ہوگی۔ لہٰذا مشرکین سے جنگ کرنے کا جو حکم تمہیں دیا جا رہا ہے اس میں پس و پیش نہ کرو۔

۴۸؎ حُنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے جو مکہ سے ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں شوال ۸ ھ (فروری ۶۳۰ء) میں مشرکین کے ساتھ جنگ ہوئی۔

۴۹؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کی مہم ابھی سر کی ہی تھی کہ طائف کی جانب قبیلۂ ہوازن اور قبیلہ ثقیف نے جو مشرک تھے فتح مکہ سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کو جب ان کے مذموم ارادوں کی اطلاع ہوئی تو آپ بارہ ہزار لشکر کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی۔ اور ابھی ابھی مکہ بھی فتح ہوا تھا اس لئے مسلمانوں میں خود اعتمادی ضرورت سے زیادہ پیدا ہو گئی تھی جس نے انہیں دشمن کی طرف سے کسی قدر غافل کر دیا اور وہ بے جگری کے ساتھ لڑ نہ سکے۔ جنگ میں محل وقوع کو بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ حنین کا علاقہ پہاڑی ہے جہاں دشمن پہلے سے مورچے لگائے بیٹھے تھے۔ اور یہ قبائل تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے اس لئے مسلمانوں کا لشکر جب وادی سے گزرنے لگا تو دشمن نے اچانک حملہ کر دیا اور تیروں کی ایسی بارش کی کہ مسلمانوں کا لشکر تتر بتر ہو گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کچھ جاں نثار ساتھی اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ پھر جب آپ کے اشارہ سے حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو للکارا تو وہ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور پھر بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ فتح نے ان کے قدم چوم لئے۔ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور
ایسی فوجیں اُتاریں جو تم کو نظر نہیں آئیں۔ اور کافروں کو سزا دی۔ اور
یہی بدلہ ہے کافروں کا۔ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی
توفیق دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (القرآن)

ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ
وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ
وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾
ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٧﴾
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾
قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ
دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ
يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾
وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى
الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ
يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن
قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾
اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن
دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا
إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ
سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾
يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى
اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

٢٦ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور ایسی فوجیں اتاریں جو تم کو نظر نہیں آئیں۔ ۵۰ اور کافروں کو سزا دی۔ اور یہی بدلہ ہے کافروں کا۔ ۵۱

٢٧ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے ۵۲ اور اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

٢٨ اے ایمان والو! مشرکین بالکل نجس ہیں ۵۳، لہٰذا اس سال کے بعد ۵۴، یہ مسجد حرام کے پاس آنے نہ پائیں ۵۵۔ اور اگر تمہیں معاشی تنگی کا اندیشہ ہے تو اللہ چاہے گا تو اپنے فضل سے تمہیں غنی کردے گا ۵۶۔ اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

٢٩ اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے، اسے حرام نہیں ٹھہراتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے، ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔ ۵۷

٣٠ یہود کہتے ہیں عُزَیر، اللہ کا بیٹا ہے ۵۸ اور نصاریٰ کہتے ہیں مسیح، اللہ کا بیٹا ہے ۵۹۔ یہ محض باتیں ہیں جو وہ اپنے منہ سے نکال رہے ہیں، ان لوگوں کی باتوں کی نقل اتارتے ہوئے، جو ان سے پہلے کافر ہوئے ۶۰۔ اللہ ان کو غارت کرے۔ یہ کس طرح باطل کا شکار ہو رہے ہیں!

٣١ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب (خدا) بنالیا ہے ۶۱ اور مسیح ابن مریم کو بھی ۶۲، حالانکہ انہیں صرف ایک معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ ۶۳ وہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔

٣٢ یہ لوگ اللہ کی روشنی (نور) کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ اپنی روشنی پوری کئے بغیر رہنے والا نہیں ہے، اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ ۶۴

٣٣ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔ ۶۵

۵۰۔ مراد فرشتوں کا لشکر ہے جو اس نازک موقع پر مسلمانوں کی نصرت کے لئے نازل ہوا۔ فرشتوں کی اس کمک نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی کیوں کہ وہ آسمان سے سامان سکینت یعنی دل کا قرار اطمینان اور سکون لیکر نازل ہوئے تھے۔ اس چیز نے ان کے اندر ایسی روح پھونک دی کہ وہ زخمی شیر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس حملہ کی تاب نہ لاکر دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ہزار ہا لوگ قید کئے گئے اور زبردست مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وہ غیبی مدد تھی جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ کفر و اسلام کی جنگ میں اہل ایمان کی مدد کے لئے فرشتوں کی جو کمک بھیجی جاتی ہے اس کی تشریح سورہ انفال نوٹ ۱۵۔ اور ۱۹۔ میں گزر چکی ہے۔

۵۱۔ حنین میں کافروں کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سزا انہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں دلوادی اور یہ ان کے کفر کا بدلہ تھا جو انہیں دنیا ہی میں ملا اور حق کا بول بالا ہوا۔

۵۲۔ یعنی جنگ میں جہاں خونریزی اور شکست و ریخت کا سامان ہوتا ہے وہاں کتنے ہی بندگان خدا پر ہدایت کے دروازے کھلتے ہیں۔ وہ اللہ سے توفیق پا کر کفر سے توبہ کر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی کی آغوش میں پناہ لے لیتے ہیں۔ جہاد کا یہ مثبت پہلو ہے اور انسانیت کے حق میں یہ اتنا بڑا فائدہ ہے کہ اس کا منفی پہلو یعنی جنگ کے نقصانات اس کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ چنانچہ جنگ حنین میں مشرکین کے شکست کھانے کے بعد ان کی بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی۔ کیوں کہ ان کو یہ یقین ہوگیا کہ رسول کے ساتھ غیبی نصرت ہے اس لئے ہر جگہ اور ہر میدان میں اس کا پلڑا بھاری رہتا ہے پھر جو ہستی اپنے رسول کی مدد کے لئے یہ کرشمے دکھارہی ہے اس پر وہ ایمان کیوں نہ لائیں اور اس کے دین کو کیوں نہ قبول کریں؟

۵۳۔ نجاست سے مراد شرک کی نجاست ہے۔ جس سے مرکز توحید کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ مشرکین اور کفار کے معاملہ میں اسلام نے چھوت چھات کا کوئی تصور نہیں دیا بلکہ ان کے شرک اور ان کے کفر کے اثرات سے اپنے کو بچانے کی ہدایت کی۔

واضح رہے کہ اسلام کے نزدیک قلب و ذہن اور اعتقاد کی نجاست تمام نجاستوں سے بڑھ کر ہے۔

۵۴۔ اس سال سے مراد ۹ھ (۶۳۱ء) ہے جب کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سال حضرت ابوبکر کی قیادت میں حج ہوا تھا۔ اور اس موقع پر اس حکم کی تعمیل میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔

۵۵۔ یعنی مشرکین حدود حرم میں داخل نہ ہونے پائیں۔ اس حکم کے مطابق نہ صرف مسجد حرام میں بلکہ پورے حرم میں مشرکین کا داخلہ قیامت تک کے لئے ممنوع قرار پایا۔ بالفاظ دیگر حرم کی سرزمین غیر مسلموں کے لئے ممنوعہ علاقہ (Prohibited Area) ہے۔

۵۶۔ مشرکین کا داخلہ حرم میں ممنوع قرار دینے کے نتیجہ میں کاروبار اور تجارت کے متاثر ہونے کا اندیشہ تھا کیوں کہ اس وقت مکہ کی منڈی میں باہر سے غذائی اجناس لانے لے جانے والے زیادہ تر مشرک ہی تھے لیکن اس اندیشہ کو اللہ تعالیٰ نے خاطر میں نہ لانے کی ہدایت فرمائی اور یہ امید دلائی کہ اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا چنانچہ عملاً مسلمانوں کو یہی صورت پیش آئی یعنی مشرکین کے حدود حرم میں داخلہ کو ممنوع قرار دینے سے مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشی حالت پر کوئی برا اثر نہیں پڑا بلکہ وہ روز بروز اس میں ترقی کرتے چلے گئے۔ معلوم ہوا کہ اصل چیز اللہ کے حکم کی، اس پر توکل کرتے ہوئے اطاعت کرنا ہے پھر مسائل بھی حل ہونے لگتے ہیں اور اس طرف سے برکتوں کا ظہور بھی ہونے لگتا ہے۔

۵۷۔ جہاد سے متعلق یہ اہم ترین آیت ہے جو ۹ھ میں غزوۂ تبوک سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سے پہلے اہل کتاب میں سے صرف یہود سے جنگ کی نوبت آئی تھی جن کی بستیاں مدینہ کے اطراف یا اس سے قریبی علاقہ میں تھیں اور اس جنگ کی وجہ ان کی وہ سازشی کارروائیاں تھیں جو مسلمانوں کے خلاف اور مشرکین کی حمایت میں وہ کر رہے تھے۔ اب اس آیت میں عام اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اصولی ہدایت دی گئی ہے جس کی نوعیت اسلامی ریاست کی مستقل پالیسی کی ہے۔

''اہل کتاب میں سے'' کا مطلب یہ ہے کہ جو اہل کتاب اسلام قبول کرلیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف ان لوگوں سے جنگ یا جزیہ کا مطالبہ کیا جائے گا جو اسلام قبول نہ کریں۔ اہل کتاب کے اللہ اور روز آخر پر ایمان نہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگرچہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کا یہ دعویٰ ایمان کی حقیقت کے لحاظ سے بالکل بے معنی ہے کیوں کہ وہ اللہ کو اس طرح نہیں مانتے جس طرح ماننا چاہیئے۔ وہ اللہ کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کے بیٹا ہونے کے بھی قائل ہیں۔ اس کو تنہا معبود مان کر خالصۃً اس کی پرستش اور بندگی کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ اس کو عیوب ونقائص سے پاک نہیں مانتے اور اس کی توحید میں انہوں نے شرک کی آمیزش کررکھی ہے۔ اسی طرح وہ آخرت کے قائل ضرور ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ فلاں اور فلاں کی سفارش سے یا فلاں نبی پر ''کفارہ'' کا عقیدہ رکھنے سے ان کی نجات ہوجائے گی۔ ظاہر ہے ان کے اس عقیدہ نے آخرت کے عقیدہ کو عملاً بالکل معطل کررکھا ہے۔ اور آخرت کی باز پرس کا خیال ذہنوں سے یکسر مٹ گیا ہے اس لئے حقیقت یہی ہے کہ اہل کتاب آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اللہ نے جن چیزوں کو اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا ہے مثلاً سود، خواہ وہ اپنوں سے لیا جائے یا غیروں سے شراب، خنزیر وغیرہ۔ اسی طرح اللہ کا آخری رسول اس کی ہدایت کے تحت حرمت کے سلسلہ میں جو تفصیلی احکام دے رہا ہے ان کو ماننے کے لئے وہ تیار نہیں بالفاظ دیگر انہیں اللہ کی آخری شریعت کو تسلیم کرنے سے انکار ہے۔

''اور نہ دینِ حق کو اپنا دین بناتے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو جو دینِ حق ہے قبول کرنے کے لئے وہ تیار نہیں ہیں بلکہ یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ جو اللہ کا دین نہیں ہے چمٹ کر رہنا چاہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب نے مذہب کا بہروپ ضرور اختیار کرلیا ہے لیکن ان کو نہ سچی خدا پرستی سے واسطہ ہے اور نہ اس کی اطاعت سے، اور نہ ہی سچی دینداری سے۔ ایسی صورت میں وہ دنیا میں خیر وصلاح کا کام کرنے سے تو رہے البتہ کفر کو فروغ دینے اور شر وفساد پھیلانے میں ضرور سرگرم رہیں گے لہٰذا اس اعلیٰ مقصد کی خاطر جو اسلام کے پیش نظر ہے کہ کفر اور شر کی طاقتیں دب جائیں اور خدا پرستی اور خیر کی طاقتیں ابھریں ان سے جنگ ناگزیر ہے الاّ یہ کہ وہ جزیہ دیکر اسلامی ریاست کے ماتحت رہنا قبول کرلیں کیوں کہ اس صورت میں ان کا شر بھی دب سکتا ہے اور بدلے ہوئے ماحول میں انہیں اسلام کی حقانیت پر غور کرنے کا موقع بھی مل سکتا ہے۔

''**جزیہ**'' وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلم اسلامی ریاست کو اس کی وفاداری کی علامت کے طور پر اور اس کی طرف سے ملنے والے امان کے معاوضہ میں ادا کرتے ہیں۔ اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ حالات اور انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس کی مقدار متعین کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مقدار فی کس سالانہ ایک دینار (۱۰ درہم تقریباً ۳۰ گرام چاندی) مقرر کی تھی بعد میں حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جب کہ ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوگئی تھی جزیہ کی مقدار بڑھا کر چار دینار (۴۰ درہم۔ تقریباً ۱۲۰ گرام چاندی) کردی۔ (کتاب الاموال ابوعبید ص ۳۹۔۴۱)

آیت میں اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے جزیہ لے کر انہیں امان دینے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن یہ سہولت مشرکین کو دینے کا حکم صراحت کے ساتھ نہیں دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رعایت مشرکینِ عرب کے لئے نہیں تھی جن سے اصلاً نزولِ قرآن کے دور کے مسلمانوں کو واسطہ تھا۔

مشرکین عرب سے جن کی طرف براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی اسلام ہی قبول کیا جاسکتا تھا لیکن بعد میں جب عجم کے مشرکین سے واسطہ پیش آیا تو جزیہ کے اس حکم کا انطباق مشرکین عجم پر بھی کیا گیا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر (بحرین) کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا (ابوداؤد کتاب الخراج) اور فرمایا تھا سَنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ یعنی اہل کتاب کے لئے (جزیہ کا) جو قاعدہ مقرر کیا گیا ہے وہی قاعدہ ان پر بھی لاگو کرو۔ (کتاب الاموال۔ ابوعبید ص ۳۲)

(ابوعبید المتوفی ۲۲۴ھ) کتاب الاموال میں جو اسلام کے مالیاتی نظام پر نہایت مشہور اور مستند کتاب ہے لکھتے ہیں:

'' رہے عجمی (غیر عرب) تو ان سے جزیہ لیا جاسکتا ہے اگرچہ وہ اہل کتاب نہ ہوں اس قاعدہ کی بنا پر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کے معاملہ میں اختیار فرمایا

تھا حالانکہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔'' (ص ۳۰)

آیت میں اہل کتاب سے جنگ کرنے کے جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں مدافعانہ جنگ کا حکم نہیں دیا گیا ہے، یہ حکم تو اس سے بہت پہلے دیا جا چکا تھا بلکہ ایک مقصدی، اصلاحی اور انقلابی جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کی حیثیت اسلامی ریاست کی اصولی پالیسی کی ہے اور اس سلسلہ میں کوئی اقدام حالات اور وسائل کو سامنے رکھ کر ہی کرے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رومن امپائر سے جب خطرہ محسوس کیا تو تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک پہنچ گئے جو اس کی سرحد پر واقع تھا لیکن جب رومی مقابلہ کے لئے نہیں آئے بلکہ انہوں نے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹا لیں تو آپ نے اس وقت ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا بعد میں خلافتِ راشدہ کے زمانے میں جب حالات ساز گار ہوئے تو مسلمانوں نے ان ممالک کو فتح کر لیا۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاد کو مدافعانہ جنگ (Defensive War) کے دائرہ میں محدود سمجھنا صحیح نہیں اور نہ اس کی تقسیم موجودہ اصطلاح میں جارحانہ جنگ (Agressive War) سے تعبیر کرنا ہی صحیح ہے کیوں کہ وہ ملک گیری، قومی تعصبات، مادّی اغراض یا فاسد نظریات کیلئے لڑی جانے والی جنگ نہیں ہے بلکہ وہ بندگانِ خدا کو جھوٹے خداؤں کی خدائی سے آزاد کرنے، ظلم جور کو مٹانے اور انہیں پاکیزہ ماحول عطا کرنے کے لئے لڑی جانے والی جنگ ہے۔ یہ جنگ درحقیقت انسانیت کو اس کے فاسد عضو کا آپریشن کر کے صحت مند زندگی عطا کرنے کے ہم معنی ہے اس لئے اس کو ان پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکتا جو مدافعت اور جارحیت کے نام سے لوگوں نے قائم کر رکھے ہیں اور جو دین عالم گیر صداقت (Universal Truth) کا حامل ہو وہ ان ظروف میں بند ہو کر کیسے رہ سکتا ہے؟

موجودہ زمانہ میں مرعوب ذہنیت کے مسلمان جہاد کے احکام کے سلسلہ میں بڑا معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے ہیں مگر اللہ کا کلام اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی معذرت خواہانہ توجیہہ کی جائے۔ اور جہاں تک یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے وہ اسلام کے اس اقدامی نوعیت کے جہاد پر اگر معترض ہوتے ہیں تو وہ تورات کو اٹھا کر دیکھیں اس میں بھی اقدامی نوعیت کے جہاد کے احکام موجود ہیں چنانچہ بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس (فلسطین) فتح کر لینے کا جو حکم دیا گیا تھا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو ان کے لئے لکھ دیا تھا اور اس لئے لکھ دیا تھا کہ وہ دعوت اسلامی کا مرکز قرار پائے۔ پھر کیا اس کو بھی مدافعانہ جنگ کہا جا سکے گا؟

تورات میں فلسطین کے بت پرستوں کے سلسلہ میں تو نہایت سخت احکام دیئے گئے تھے یعنی یہ کہ اس کو فتح کر لینے کے بعد کسی مشرک کو وہاں رہنے نہ دیا جائے:

''جب تم یردُن کو عبور کر کے ملکِ کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے سب باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اور ان کے شبیہ اور پتھروں کو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے سب اونچے مقاموں کو مسمار کر دینا اور تم اس ملک پر قبضہ کر کے اس میں بسنا کیوں کہ میں نے وہ ملک تم کو دیا ہے کہ تم اس کے مالک بنو۔'' (گنتی ۳۳:۵۱ تا ۵۳)

اور اگر بنی اسرائیل فلسطین کے علاوہ کسی اور ملک سے جنگ کرنے کے لئے نکلتے ہیں لیکن جنگ کی نوبت نہیں آتی اور صلح ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کے باشندوں سے خراج وصول کرنے کا حکم تورات میں دیا گیا ہے:

''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا'' (استثناء ۲۰:۱۰ تا ۱۳)

۵۸۔ عُزَیر کا نام بائبل میں عزرا (Ezra) آیا ہے جن کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ بخت نصر کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر جو تباہی آئی اور جس دینی، اخلاقی و عملی زوال کا وہ شکار ہوئے اس سے ان کو نجات دلانے، تورات سے ان کا تعلق مضبوط کر کے ان کی اصلاح کرنے اور ان کے اندر دین کی روح پھونکنے کا کام جس شخصیت نے انجام دیا۔ وہ حضرت عزیر ہی ہیں۔ بنی اسرائیل کے اخلاقی بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے اس دور انحطاط میں مشرک قوموں سے مخلوط شادیاں کر لی تھیں جن کا اثر اخلاقی بگاڑ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ شرک نے بھی ان کے اندر نفوذ کر لیا۔ بائبل میں ہے:

جب عزرا خدا کے گھر کے آگے رو رو کر اوراوندھے منہ گر کر دعا اور اقرار کر رہا تھا تو اسرائیل میں سے مردوں اور عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی جماعت اس کے پاس فراہم ہوگئی اور لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔تب عزرا کاہن کھڑا ہو کر ان سے کہنے لگا کہ تم نے خطا کی ہے اور اسرائیل کا گناہ بڑھانے کو اجنبی عورتیں بیاہ لی ہیں۔ پس خداوند اپنے باپ دادا کے خدا کے آگے اقرار کرو اور اس کی مرضی پر عمل کرو اور اس سرزمین کے لوگوں اور اجنبی عورتوں سے الگ ہوجاؤ تب ساری جماعت نے جواب دیا اور بلند آواز سے کہا کہ جیسا تو نے کہا ویسا ہی ہم کو کرنا لازم ہے۔" (عزرا ۱۰:۱۱ اور ۱۰ تا ۱۲)

ان کی ان اصلاحی کوششوں کے نتیجہ میں بنی اسرائیل کو نئی زندگی ملی، بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور تورات کی شریعت زیر عمل آئی۔ اس طرح بنی اسرائیل کی نشاۃ ثانیہ کا کام حضرت عزیر کے ہاتھوں انجام پایا چنانچہ اسٹنڈرڈ جیوش انسائیکلوپیڈیا کا مؤلف لکھتا ہے:

" Ezra (5th cent B.C.E.) Refounder of Palestinian Jewry and reformer of Jewish Life ."
(Standard Jewish Encyclopedia P. 660)

یعنی عزرا فلسطینی یہودی قوم کے نئے بانی اور مصلح ہیں۔ اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

" So important was he in the eyes of his People that later tradition regarded him as no less than a second moses ." (Ency. Brittanica Vol. 7 P. 127)

یعنی وہ ان کی قوم کی نظروں میں اس قدر اہم شخصیت بن گئے کہ بعد والوں نے انہیں موسیٰ ثانی کا مقام دیا۔

ان کی یہی عظمت ہے جس میں غلو کر کے یہود کے ایک گروہ نے عیسائیوں کی دیکھا دیکھی ان کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا۔ تعالی اللہ عَمَّا یُشرِکُونَ۔

واضح رہے کہ عزیر کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ یہود کا عام عقیدہ نہیں ہے بلکہ ان کے اس فرقہ کا عقیدہ ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھا۔

۵۹۔ مسیح کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ وہ سب سے بڑی بدعت ہے جو نصاریٰ نے اللہ کے دین میں داخل کی اور اس کو ان میں مقبول بنانے اور رائج کرنے میں پال (Paul) کا بڑا ہاتھ ہے چنانچہ اس کے خطوط جو بائبل کے مجموعہ میں شامل ہیں اس کی جسارت پر شاہد ہیں مثال کے طور پر رومیوں کے نام پال نے جو خط لکھا تھا اس میں وہ کہتا ہے:

"اپنے بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح کی نسبت وعدہ کیا تھا جو جسم کے اعتبار سے تو داؤد کی نسل سے پیدا ہوا لیکن پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا۔ (۱:۳، ۴) خدا کا بیٹا ہونے کے باطل عقیدہ کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اخلاص نوٹ ۵۔

۶۰۔ خدا کی اولاد ہونے کا تصور اصل میں مشرک قوموں میں رہا ہے نصاریٰ میں یہ بدعت پال نے رائج کی۔ اس نے روم اور یونان کے مشرکانہ فلسفہ سے متاثر ہو کر اور مسیحیت کو ان قوموں میں مقبول بنانے کی خاطر دین مسیح کو اس میں ڈھال دیا ورنہ موجودہ انجیلوں میں نہ تثلیث کا عقیدہ پایا جاتا ہے اور نہ ان معنی میں حضرت مسیح کے بیٹا ہونے کا عقیدہ پایا جاتا ہے جن معنی میں کہ مسیحیوں نے اختیار کر رکھا ہے یعنی موجودہ انجیلوں میں جو تحریف شدہ ہیں اگر مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے تو محض مجازی معنی میں نہ کہ حقیقی معنی میں لیکن انجیل کے مؤلفین کی اس غلطی کو پال نے گمراہی کا روپ دے دیا۔

۶۱۔ یعنی اہل کتاب میں جو گمراہیاں پیدا ہوئیں ان کی بنیادی وجہ ان کا اپنے علماء اور مشائخ کی اندھی تقلید میں مبتلا ہونا تھا۔ ان کے اقوال نے کتاب الٰہی کی جگہ لے لی اور ردو قبول کا معیار ان کے اقوال اور فتوے قرار پائے۔ انہوں نے جو مشرکانہ عقائد اور بدعات دین میں داخل کیں ان پر لوگ جم گئے اور یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ صحیح عقائد کیا ہیں اور باطل کیا، توحید کیا ہے اور شرک کیا، عبادت کیا اور بدعت کیا، اور حلال کیا ہے اور حرام کیا۔ یہ حال یہود کا بھی ہوا اور نصاریٰ کا بھی لیکن نصاریٰ نے ایک قدم آگے بڑھ کر حضرت مسیح کے بارے میں ایسے عقائد اور خرافات (Mythology) گڑھ لیں کہ پورا دین ان باطل تصورات کے محور پر گردش کرنے لگا۔ یہاں ان کے اسی طرز عمل کو "رب بنا لینے" سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں اس آیت کی تفسیر نبی ﷺ سے اس طرح منقول ہے:

''عدی بن حاتم کہتے ہیں، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: عدی اس بت کو پھینک دو، عدی کہتے ہیں میں نے آپ کو سورۂ براءۃ کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا 'انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنالیا۔ آپ نے فرمایا ''وہ ان کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ کرتے یہ تھے کہ جس چیز کو ان کے علماء و مشائخ ان کے لئے حلال ٹھہراتے اس کو وہ حلال اور جس چیز کو حرام ٹھہراتے اس کو وہ حرام قرار دیتے۔'' (الترمذی ابواب تفسیر القرآن)

یہ حدیث اگرچہ اسناد کے لحاظ سے قوی نہیں ہے کیونکہ ترمذی نے اس کو روایت کر کے خود لکھا ہے:

وھذا حدیث غریب لانعرفہ الا من حدیث عبد السلام بن حرب۔ وَغُطَیْفُ بن اَعْیَنَ لیس بمعروفٍ فِی الحدیث

''یہ غریب حدیث ہے ہم اسے عبد السلام بن حرب ہی کے واسطہ سے جانتے ہیں۔ اس کے راوی غُطیف بن اعین حدیث کے معاملہ میں معروف نہیں ہے۔

لیکن جہاں تک حدیث کے مضمون کا تعلق ہے وہ اس آیت کی بہترین تفسیر ہے اور ابن عباس، ضحاک حذیفہ اور ابوالعالیہ سے جو تفسیری اقوال منقول ہیں وہ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۸۰)

اس آیت پر غور کرنے سے درج ذیل اصولی باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ دین کے معاملہ میں اصل چیز اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کو چھوڑ کر کسی اور کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالنا اس کو رب بنالینے اور اس کی بندگی کرنے کے ہم معنی ہے۔

۲۔ علماء ہوں یا فقہاء، امام ہو یا مفتی، پیر ہو یا ولی کسی کا یہ مقام نہیں کہ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی جگہ لے لے۔

۳۔ اللہ کے حکم کو ثابت کرنے والی چیز دلیل شرعی ہے نہ کہ علماء و فقہاء اور بزرگوں کے اقوال اور اسلام کی راہ دلیل و حجت کی راہ ہے نہ کہ تقلید و جمود کی۔

۴۔ جو لوگ اللہ کی شریعت کے بالمقابل انسانی زندگی کے لئے قانون سازی کا حق اپنے ہی جیسے انسانوں کو دیتے ہیں اور احکام شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے وہ ان کو خدائی کے مقام پر بٹھاتے ہیں۔

۶۲۔ حضرت مسیح کو رب (Lord) بنانے والے اصل میں عیسائی راہب اور علماء ہیں خاص طور سے پال (Paul) جس نے حضرت مسیح کے دین کو جو حقیقت میں اسلام تھا مسیحیت میں بدل ڈالا اسے حضرت مسیح کو خداوند کہنے میں کوئی باک نہیں ہے۔

''پس اسرائیل کا سارا گھرانا یقین جان لے کہ خدا نے اسی یسوع کو جسے تم نے مصلوب کیا خداوند بھی کیا اور مسیح بھی۔ (اعمال ۲:۳۶)

''پولُس (پال) کی طرف سے جو یسوع مسیح کا بندہ ہے۔'' (رومیوں کے نام ۱:۱)

''جس نے ہمارے خداوند یسوع کو مُردوں میں سے جلایا'' (رومیوں کے نام ۴:۲۵)

۶۳۔ یہ حکم آج بھی تورات و انجیل میں موجود ہے:

''میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔۔۔۔۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا۔'' (خروج ۲۰:۳، ۵)

''خداوند تیرا خدا آج تجھ کو ان آئین اور احکام کے ماننے کا حکم دیتا ہے۔ سو تو اپنے سارے دل اور ساری جان سے ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا۔'' (استثناء ۲۶:۱۶)

''یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔'' (متی ۴:۱۰)

۶۴۔ اللہ کی روشنی (نور) سے مراد اسلام ہے اور اس کو پورا کرنے سے مراد اسلام کی تکمیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو اسلام کی ترقی بالکل نہیں بھاتی وہ دنیا کے افق پر اسلام کے آفتاب کو ابھرتا ہوا دیکھ کر سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں اور انہیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے کہ وہ اس روشنی کو پھیلنے سے کس طرح روکیں

اس کی کوئی تدبیر جب ان کی سمجھ میں نہیں آتی تو وہ اس روشنی کو پھونکوں سے بجھانے کی طفلانہ حرکت کرگزرتے ہیں مگر اسلام کا آفتاب عالم تاب ان کی پھونکوں سے بجھنے سے رہا اس کی روشنی چاردانگ عالم میں پھیل کر رہے گی۔

یہ کافر نہ تو آفتاب ہدایت کو ابھرنے سے روک سکتے ہیں اور نہ اسلام کے ہلال کو ماہ کامل بننے سے کیوں کہ دین اسلام کی تکمیل اللہ کا اٹل فیصلہ ہے اور اللہ کا فیصلہ نافذ ہوکر رہتا ہے خواہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔

۶۵۔ آیت میں ہدایت سے مراد وہ رہنمائی ہے جو دین حق کی راہ روشن کرتی ہے وہ نشانیاں اور دلائل جو اسلام کا دین حق ہونا ثابت کرتے ہیں اور دین حق سے مراد اسلام کا مکمل نظام بندگی اور کامل شریعت ہے جس کا دائرہ عقائد سے لیکر سیاست تک وسیع ہے۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں اظہار کے معنی غلبہ کے ہیں۔

لسان العرب میں ہے:

فلانٌ ظاهرٌ علىٰ فلانٍ اى غالب عليه

''فلاں شخص فلاں شخص پر ظاہر ہے یعنی غالب ہے۔'' (ج ۴ ص ۵۲۶)

قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

يَاقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِيْنَ فِى الْاَرْضِ۔ ''اے میری قوم کے لوگو! آج تمہیں اقتدار حاصل ہے اور ملک میں تم غالب ہو۔''

(المؤمن-۲۹)

آیت زیر تفسیر میں اظہار سے مراد اقتدار کا غلبہ اور حاکمانہ تسلط ہے نہ کہ حجت کا غلبہ کیوں کہ یہ غلبہ تو رسول کو اول روز سے حاصل تھا چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں:

وظهور هذا الدين بالحجة مقرر معلوم ''اس دین کا حجت کے ذریعہ ظہور ایک معلوم حقیقت ہے اس لئے ضروری ہے

فالواجب حمله على الظهور بالغلبة۔ کہ اسے غلبہ کے ذریعے ظہور پر محمول کیا جائے۔''

(التفسیر الکبیر ج ۱۶ ص ۴۰)

لِيُظْهِرَهٗ ''تا کہ اسے غالب کردے'' کا فاعل اللہ ہے نہ کہ رسول اور اس پر دلیل اوپر والی آیت ہے جس میں يُتِمَّ نُوْرَهٗ ''اللہ اپنی روشنی کو پورا کردے گا۔'' فرمایا گیا ہے۔ اس لئے جس طرح اتمام نور کا فاعل اللہ ہے اسی طرح اظہار دین کا فاعل بھی اللہ ہی ہے۔

یہ دونوں آیتیں آخری رسول کے تعلق سے خدائی منصوبہ کو ظاہر کرتی ہیں پہلی آیت میں اتمام نور یعنی تکمیل دین کی خبر دی گئی ہے اور دوسری آیت میں اظہار دین یعنی رسول کے ہاتھوں تمام مذاہب پر اسلام کے غلبہ کی۔ تکمیل دین کے پس منظر میں اہل کتاب ہیں اس لئے پہلی آیت میں وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ''اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو'' فرمایا اور غلبہ دین کے پس منظر میں اہل کتاب کے علاوہ مشرکین بھی تھے اس لئے اس آیت میں وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ''اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہو'' فرمایا یہ درحقیقت اس بات کا اعلان تھا کہ آخری رسول کے بارے میں خدا یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ اس کے ہاتھوں .... اسلام کو عرب کے تمام مذاہب پر غالب کردیا جائے گا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی اس فیصلہ الٰہی کا ظہور ہوا اور یہ منصوبہ پورا ہوکر رہا، اس طور سے کہ پورے عرب میں بت پرستی اور مشرکانہ مذہب کا وجود کہیں باقی نہ رہا اور یہودیت کو جلاوطن ہونا پڑا۔ رہی نصرانیت تو وہ عرب کے صرف سرحدی علاقوں میں باقی رہی اور وہ بھی مغلوب ہوکر اور اسلامی ریاست کی باجگذار بن کر۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ آیت خدا کے منصوبہ کو بیان کرتی ہے جو اس نے خاص طور سے اپنے رسول کے سلسلہ میں بنایا تھا اور جمہور مفسرین نے اس کو اسی مفہوم میں لیا ہے لیکن بعض معاصر مفسرین نے دین کے سیاسی غلبہ کو رسول کا مشن قرار دیکر نظام اسلامی کے غلبہ کی جدوجہد کیلئے اس آیت کو دلیل بنایا ہے جو سراسر تکلف ہے

کیونکہ اس میں رسول کا مشن نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ فیصلۂ خداوندی کا اعلان کیا گیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر رسول کا مشن کیا تھا اور دین کا سیاسی غلبہ مطلوب ہے یا نہیں؟ تو جہاں تک رسول کے مشن کا سوال ہے وہ کسی ایک آیت میں نہیں بلکہ سیکڑوں آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس کے لئے مکی سورتوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیوں کہ ہر رسول اپنا مشن آغاز ہی میں بیان کرتا ہے۔ رہا دین کا سیاسی غلبہ تو وہ یقیناً مطلوب ہے اور جہاد اسی مقصد کے لئے مشروع ہوا ہے جس کی وضاحت اس سورہ کی تفسیر میں ہم کر چکے ہیں اور سورۂ انفال کی تفسیر میں بھی لیکن اس کا تعلق دعوتی جدوجہد کے خاص مرحلہ سے اور حالات کی مناسبت سے ہے اس لئے اس کو پیغمبر کا مشن قرار دینا صحیح نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ
لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾

۳۴ اے ایمان والو! اہل کتاب کے علماء اور مشائخ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھاتے ہیں ٦٦؎ اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ٦٧؎ ۔اور جو لوگ سونا اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو۔ ٦٨؎

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ جس دن جہنم کی آگ میں اسے تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ ٦٩؎ (کہا جائیگا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ تو چکھو اب اپنے خزانہ جمع کرنے کا مزہ۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ
كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ
اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا
فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا
يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ مہینوں کی صحیح تعداد اللہ کے نزدیک بارہ ہے جو اللہ کے نوشتہ میں جس روز کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا لکھی ہوئی ہے ٧٠؎ جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں ٧١؎ ۔یہی سیدھا دین ہے ٧٢؎ لہٰذا ان میں اپنے نفس پر ظلم نہ کرو ٧٣؎ ۔اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان رکھو کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ
اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ نسئ (مہینہ کو اس کی جگہ سے پیچھے ہٹا دینا) کفر میں سراسر زیادتی ہے۔ جس کے ذریعہ کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ کسی سال اس (مہینہ) کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام، تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری کر لیں اور ساتھ ہی اللہ کے حرام ٹھہرائے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیں ٧٤؎ ۔ان کے بُرے اعمال ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ
انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

۳۸ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ ٧٥؎ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ٧٦؎ دنیوی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ
وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

۳۹ اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک سزا دے گا۔ ٧٧؎ اور تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کریگا ٧٨؎ ۔اور تم اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے ٧٩؎ ۔اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

۶۶۔ اہل کتاب کے علماء ومشائخ کا حال یہ تھا کہ وہ بڑی مکاری سے دینداری کے آڑ میں دکانداری کرنے لگے تھے۔ان کے اس حال کا ذکر قرآن نے اہل ایمان کو خطاب کر کے کیا ہے تا کہ اہل ایمان اس سے سبق لیں۔افسوس کہ اس تنبیہ کے باوجود مسلمانوں میں کتنے علماء مولوی، ملا، امام اور پیر ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کو پیشہ بنالیا ہے۔وہ الٹی سیدھی تاویل کر کے دین کے نام سے گمراہ کن باتیں لوگوں کو بتاتے ہیں۔انہوں نے پیری مریدی کے چکر میں لوگوں کو پھانس رکھا ہے تا کہ ان سے نذرانہ وصول کرتے رہیں انہوں نے بزرگوں کی نام کی نذر و نیاز کا ڈھونگ رچا رکھا ہے تا کہ ان کے حلوے مانڈے کا سامان ہوتا رہے۔انہوں نے تعویذ گنڈے ایجاد کر رکھے ہیں تا کہ ان کا کاروبار چلتا رہے۔وہ بدعات اور جاہلی رسموں کو فروغ دیتے رہتے ہیں تا کہ ہر مجلس میں ان کی ضرورت محسوس ہوتی رہے اور ان کا کام بنتا رہے۔ان کو شرک کی سرپرستی قبول کرنے سے بھی عار نہیں ہے درگاہوں کی مجاوری کا اصل محرک ''چراغی'' اور ''چڑھاوے'' ہیں جن سے ان کی جیبیں گرم ہوتی رہتی ہیں۔ان تمام بدعات ورسوم کی تہ میں جو چیز نظر آئے گی وہ ''معاش'' ہے نہ کہ معاد نتیجہ یہ کہ اکلِ حرام کی وجہ سے ان کی ساری دینداری ڈھکوسلا بن کر رہ گئی ہے۔

۶۷۔ یعنی ان عالموں اور راہبوں کا حال عجیب ہے۔ان کو سچی خدا پرستی کی زندگی پسند نہیں ہے اس لئے وہ دین حق کے مخالف ہو گئے ہیں اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حرام مال کھانے سے آدمی کی نفسیات ایسی ہو جاتی ہے کہ اس میں حق پسندی باقی نہیں رہتی۔اور وہ حق کی مخالفت کرنے لگتا ہے۔

۶۸۔ متن میں لفظ'' یکنزُون ''استعمال ہوا ہے جو''کنز'' سے ہے اور کنز کے معنی عربی لغت میں محض جمع کرنے کے نہیں بلکہ خزانہ بنا کر رکھنے کے ہیں:

تسمی العرب کل کثیر ''عرب ہر اس مال کو جو کثیر مقدار میں جمع کیا گیا ہو
مجموع تنافس فیہ کنزاً اور جس سے باہمی منافست پیدا ہوتی ہو کنز کہتے ہیں۔''

(لسان العرب ج ۵ ص ۴۰۱)

اور امام راغب لکھتے ہیں:

والذین یکنزون الذھب والفضة ای یدخرونھا ''جو لوگ سونا اور چاندی کنز کر کے رکھتے ہیں یعنی ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں۔''

(المفردات ص ۴۵۸)

اور قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

لَو لآ اُنزِلَ عَلیہِ کَنزٌ ''اس پر کوئی کنز کیوں نہیں اُتارا گیا۔''

(ہود۔۱۲)

ظاہر ہے یہاں بھی کنز سے مراد خزانہ ہے نہ کہ مال کی محدود مقدار۔

اس لئے آیت زیر تفسیر میں عذاب کی جو وعید سنائی گئی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو فاضل دولت وافر مقدار میں جمع کر کے رکھتے ہیں اور جن مقاصد پر خرچ کرنا ضروری ہے ان پر خرچ نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ دولت اس لئے عطا نہیں کرتا کہ آدمی اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائے اور اسے فخر وغرور اور نمائش کا ذریعہ بنالے بلکہ اس لئے عطا کرتا ہے کہ اس کو صحیح مصرف میں لائے وہ دولت کا مالک نہیں بلکہ امین ہے اس لئے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کے مالک کے بتائے ہوئے طریقہ پر اس کو استعمال کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرے۔جو شخص دولت کو اس طرح خرچ نہیں کرتا اور اسے سینت سینت کر رکھتا ہے وہ بہت بڑی حق تلفی کرتا ہے جس کی سزا خدا کے ہاں نہایت سخت ہے۔

اس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد دولت کے ارتکاز (ذخیرہ اندوزی) پر کوئی پابندی نہیں ہے۔اس نظریہ کے تحت

آیت زیر تفسیر کی توجیہہ یہ کی جاتی ہے کہ یہ وعید ان لوگوں کو سنائی گئی ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے حالانکہ آیت زیر تفسیر میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے بلکہ فرمایا گیا ہے کہ وہ سونے چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یعنی یہاں بات انفاق کی کہی گئی ہے جس کا تعلق ضرورت اور حالات سے ہے جب کہ زکوٰۃ مال کا ایک متعین حصہ ہے جو ہر حال میں ادا کرنا ضروری ہے اور اسلام کا عام اصول یہی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مال پاک ہوجاتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام کے واجبات کی فہرست ختم ہوگئی بلکہ ضرورت اور حالات کی نسبت سے مال میں حقوق عائد ہوتے ہیں اور صاحب مال کے لئے ضروری ہے کہ وہ انفاق کرے۔ مثال کے طور پر اگر قحط یا کسی حادثہ کی وجہ سے لوگ بھوکوں مر رہے ہوں تو کوئی شخص یہ کہہ کر ان کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوجاتا کہ میں پہلے ہی زکوٰۃ ادا کرچکا ہوں۔ یا مثلاً کسی شخص کے والدین محتاج ہوں تو ان کے نفقہ کی ذمہ داری اس پر لازماً عائد ہوگی اگرچہ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ اسی طرح جہاد کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی انفاق کرنا ہوگا۔

یہاں جو حکم دیا گیا ہے وہ ہے سونا چاندی کی ذخیرہ اندوزی نہ کرنے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا۔ سونا چاندی کے حکم میں ہر قسم کی نقدی (Currency) بینک بیلنس (Bank Balance) اور بانڈ (Bond) جیسی چیزیں شامل ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے مفہوم میں دین کی اشاعت، تبلیغ و دعوت، جہاد، دینی تعلیم، مساجد و مدارس کی تعمیر محتاجوں کی مدد اور اس قسم کے دوسرے خیر کے کام شامل ہیں۔ قرآن افراد کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی تجوریاں بھر لیں بلکہ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ فاضل دولت مقاصد خیر میں خرچ کی جائے۔ قرآن زر پرستی، بخل اور لالچ کو باعث ہلاکت قرار دیتا ہے اور اس ہلاکت کے لئے قارون کی مثال پیش کرتا ہے جو وقت کا سب سے بڑا دولت منداور سب سے بڑا سرمایہ پرست تھا۔

آدمی اگر اپنا مال جائز ضرورتوں کے لئے پس انداز کرتا ہے یا کاروبار اور تجارت میں لگاتا ہے یا اپنے بال بچوں اور قرابت داروں کے لئے ترکہ چھوڑتا ہے تو ان میں سے کوئی بات بھی قابل اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کے احکام کی پابندی کرتا ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کی آدمی دولت سمیٹنے ہی کو اپنا مقصد زندگی بنالے اور اپنی اولاد کو بھی کروڑ پتی بنا کر چھوڑے۔ دولت کا اس طریقہ سے ٹھہراؤ اور اس کی ذخیرہ اندوزی اسلام میں سخت قابل اعتراض ہے۔ اس طرح اپنی تجوریاں بھرنے والوں کو قرآن دردناک عذاب کی بشارت دیتا ہے کہ ان کو اپنے خزانوں کو دیکھ دیکھ کر جو خوشی ہوتی ہے وہ عنقریب عذاب کی ''خوشی'' میں تبدیل ہوجانے والی ہے۔

حضرت علی نے اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے چار ہزار درہم (تقریباً بارہ ہزار گرام چاندی) سے زائد مال کو کنز سے تعبیر کیا تھا چنانچہ ابن جریر طبری نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''چار ہزار درہم یا اس سے کم مقدار تو نفقہ (ضروری اخراجات کے لئے پس انداز کیا ہوا مال) ہے اگر اس سے زیادہ ہے تو وہ کنز ہے'' (تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۸۳)

یہ کوئی مستقل تحدید نہیں تھی بلکہ آیت کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے حالات پر انطباق کی ایک صورت تھی اور حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں جب دولت کی ریل پیل ہوگئی اور لوگوں کا رجحان مال جمع کرنے کی طرف ہوا تو حضرت ابوذر نے سخت گرفت کی اور صاف صاف کہا:

هٰؤلاء يجمعون الدنيا و لا يعقلون شيئاً۔ ''یہ لوگ دنیا جمع کر رہے ہیں اور کوئی بات سمجھتے نہیں ہیں''

(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ)

اور انہوں نے امیر معاویہ سے اس مسئلہ میں سخت اختلاف کیا جو اس بات کے قائل تھے کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابوذر کا کہنا تھا کہ آیت کا حکم عام ہے۔ مسلمان اور اہل کتاب دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ (بخاری کتاب الزکاۃ)

حضرت ابوذر کی یہ بات بنیادی طور پر بالکل صحیح ہے کیونکہ آیت میں دولت کے خزانے جمع کرنے کی جو سزا سنائی گئی ہے اس کو اہلِ کتاب کیساتھ خاص کرنیکی کوئی وجہ نہیں البتہ حضرت ابوذر سے دوسرے صحابہ کے اختلاف کرنیکی وجہ ممکن ہے یہ ہوئی ہو کہ حضرت ابوذر نے مال پر ''کنز'' کا اطلاق (Application)

کرنے میں شدت سے کام لیا ہو۔اور حقیقی ضرورتوں کے لئے پس انداز کئے ہوئے مال پر بھی کنز کا حکم لگایا ہو۔

آج دین کی اشاعت، دعوتی جدوجہد اور دینی تعلیم جیسے اہم ترین کام مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے کس قدر متاثر ہو رہے ہیں؟ فساد زدگان کی آباد کاری کا مسئلہ کیسی سنگین صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔سوسائٹی کا ایک طبقہ ایسا ہے جس کو سر چھپانے کے لئے بھی جگہ میسر نہیں اور کتنے ہی لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ سڑک پر بسیرا کرتے ہیں۔کیا ان حالات میں اہل ثروت کو اپنی تجوریاں بھر بھر کر رکھنے اور اپنی اولاد کو کروڑ پتی بنانے کے لئے دولت سمیٹ کر رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟اس سوال کا جواب فقہی بحثیں کرنے کے بجائے سورۂ توبہ کی اس آیت ہی سے پوچھ لینا چاہیئے۔

۶۹ ۔ ان اعضاء کو داغنے کی وجہ یہ ہے کہ دولت کا غرور دماغ میں ہوتا ہے جس کے آثار پیشانی پر ظاہر ہوتے ہیں اس طرح پہلو اور پیٹھ وہ اعضاء ہیں جن کو دولت کی بہتات کی وجہ سے عیش و آرام کی فراوانی حاصل ہوتی ہے۔

۷۰ ۔ یعنی اللہ نے جس وقت آسمان وزمین تخلیق فرمائے اسی وقت زمین والوں کے لئے چاند کو قدرتی تقویم (Natural Calender) کی حیثیت دیدی چنانچہ اس کا گھٹنا اور بڑھنا عام مشاہدہ کی چیز ہے اور ان علامتوں کو دیکھ کر تاریخوں کا تعین بہ آسانی ہوجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ مہینہ کا آغاز کب ہوا اور اختتام کب۔پھر اس کائنات کے خالق نے انسان کے لئے سال کے شمار کا جو ضابطہ اول روز سے مقرر فرمایا ہے وہ بارہ قمری ماہ کا ہے اور یہ رہنمائی وحی الٰہی کے ذریعہ انسان کو ملتی رہی ہے اور جہاں تک عربوں کا تعلق ہے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے قمری سال (Lunar Year) ہی رائج چلا آرہا تھا۔اور مہینوں کے عربی نام تھے۔

(۱) محرّم (۲) صفر (۳) ربیع الاول (۴) ربیع الآخر (۵) جمادی الاولیٰ (۶) جمادی الآخرۃ (۷) رجب (۸) شعبان (۹) رمضان (۱۰) شوال (۱۱) ذوالقعدہ (۱۲) ذوالحجہ۔

آج بھی اسلامی دنیا میں قمری سال ہی رائج ہے اور مہینوں کے یہی نام چلے آرہے ہیں۔

نزول قرآن کے وقت عربوں کے یہاں رائج تو یہی قمری سال تھا لیکن مخصوص مصلحتوں کے پیش نظر ان کی ترتیب میں وہ الٹ پھیر کرلیا کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۷۱ ۔ حرمت والے مہینوں کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ نوٹ ۲۶۹ ۔

۷۲ ۔ یعنی ماہ اور سال کے بارے میں خدا کی طرف سے شرعی ضابطہ یہی ہے جو بالکل صحیح اور درست قاعدہ ہے لہٰذا تمام دینی امور مثلاً حج کی ادائیگی، روزہ کا اہتمام، زکوٰۃ کی ادائیگی اور عدت وغیرہ میں قمری ماہ وسال کا ہی اعتبار کیا جانا چاہیئے۔

۷۳ ۔ یعنی حرمت والے مہینوں میں جنگ کرکے گناہ کے مرتکب نہ ہوجاؤ۔

واضح رہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ چھیڑنے کی ممانعت کا حکم مستقل ہے اور یہ خیال صحیح نہیں کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا کیونکہ یہ حکم اس سے پہلے متعدد سورتوں میں آیا ہے اور سورہ براءۃ تو آخری دور کی تنزیل ہے نیز قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں جس نے اس حکم کو منسوخ کردیا ہو۔

۷۴ ۔ عربوں کے ہاں جنتری تو قمری ہی رائج تھی لیکن وہ اپنی جنگی ضرورت کے پیش نظر ان کی ترتیب میں تبدیلی کردیتے مثلاً محرم کا مہینہ حرمت والا تھا جس میں جنگ ممنوع تھی لیکن جب وہ اس میں کسی قبیلہ کے خلاف جنگ چھیڑنا چاہتے تو محرم کو مؤخر کرکے صفر کی جگہ رکھتے اور صفر کو مقدم کرکے محرم کی جگہ لے آتے۔ان کی یہ حرکت ایسی ہی تھی جیسے کوئی رات کو دن مان کر چلے اور دن کو رات۔ظاہر ہے اس سے حقیقت واقعہ بدلنے سے رہی۔البتہ آدمی قدرتی ضابطہ سے انحراف کرکے اپنی باغیانہ ذہنیت کا ثبوت ضرور دیتا ہے۔عرب جاہلیت حرمت والے مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر قدرتی ضابطہ میں خلل ڈال رہی تھی اس لئے اس کو کفر میں زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔نسئ جس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں کی اصطلاح اسی مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔

اسلام نے نسیٔ کے قاعدہ کو باطل قرار دیا اور قدرتی ضابطہ کو اپنی اصل شکل میں قائم کیا چنانچہ حجۃ الوداع ۱۰ھ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الزَّمَانَ قَدِاسۡتَدَارَ کَھَیۡئَۃِ یَوۡمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰاتِ وَالۡاَرۡض اَلسَّنَۃُ اِثۡنَا عَشَرَ شَھۡرًا مِنۡھَا اَرۡبَعَۃٌ حُرُمٌ ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُو الۡقَعۡدَۃِ وَ ذُو الۡحِجَّۃِ وَالۡمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیۡ بَیۡنَ جُمَادٰی وَ شَعۡبَان۔

’’زمانہ گردش کر کے اپنی اس دن کی ہیئت پر آ گیا جس دن کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے جن میں چار مہینے حرمت کے ہیں تین متواتر ہیں ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم چوتھا رجب مضر (مضر قبیلہ کی طرف منسوب جو رجب کو اپنے مقام سے ہٹاتا نہیں تھا) جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔‘‘ (البخاری کتاب التفسیر)

یعنی ہر مہینہ اپنے اصل محل پر آ گیا ہے۔ حلال مہینہ حلال مہینہ کی جگہ ہے اور حرام مہینہ حرام مہینہ کی جگہ۔ اس وقت سے یہ مہینوں کا سلسلہ ٹھیک اپنی حالت پر قائم چلا آ رہا ہے۔

بعض حضرات نے نسیٔ کو کبیسہ کے معنی میں لیا ہے یعنی ان کے نزدیک اس کی صورت یہ تھی کہ قمری اور شمسی سال کے درمیان ۱۱ روز کا جو فرق ہے اس کو ختم کرنے کے لئے ہر تین سال پر ایک قمری ماہ کا اضافہ کر دیا جاتا۔ لیکن بوجوہ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

اولاً نسیٔ کے معنی موخر کرنے کے ہیں اضافہ کرنے کے نہیں۔ اس لئے اس کو کبیسہ پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ ثانیاً اگر عرب میں کبیسہ کا رواج ہوتا تو قرآن یہ نہ کہتا کہ ’’تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری کر لیں۔‘‘ قرآن کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ حرمت والے مہینوں کو جب وہ اپنی جگہ سے ہٹاتے تو ان کی تلافی کے لئے حلال مہینوں کو حرام ٹھہرا لیتے۔ اس طرح حرام مہینوں کی تعداد جو چار تھی پوری کر لیتے۔ اس صورت کا کبیسہ سے کیا تعلق؟

ثالثاً اگر یہ مان لیا جائے کہ عرب میں کبیسہ کا قاعدہ چل رہا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی قمری مہینہ بھی اپنے محل پر نہ تھا بلکہ سارا حساب ہی گڑبڑ ہو کر رہ گیا تھا پھر قرآن نے حرمت والے مہینوں میں جنگ چھیڑنے کی جو ممانعت مسلمانوں کو کی تھی اور یہ تاکیدی حکم ہجرت کے کچھ ہی دنوں کے بعد دیا گیا تھا تو وہ کون سے حرام مہینے تھے جب کہ کبیسہ کی وجہ سے کوئی بھی حرام مہینہ اپنی جگہ قائم نہیں رہا ہو گا یعنی رجب نہ حقیقتاً رجب رہا ہو گا اور نہ ذی الحجہ۔ اور تو اور رمضان کے بارے میں بھی یہ سوال پیدا ہو گا کہ وہ رمضان واقعی رمضان کا مہینہ تھا جس میں روزے فرض ہوئے تھے اور جس میں جنگ بدر لڑی گئی اور جس میں نزول قرآن کا آغاز ہوا تھا یہ سارے سوالات کبیسہ کا مفروضہ تسلیم کرنے سے پیدا ہوتے ہیں لیکن قرآن کی تصریحات ان تمام باتوں کی تردید کے لئے کافی ہیں۔

بعض مفسرین نے حضرت ابوبکر کے حج کے بارے میں بھی جو ۹ھ میں ہوا تھا یہ لکھا ہے کہ وہ اصلاً ذی قعدہ کا مہینہ تھا لیکن قرآن کے بیان سے اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ قرآن نے اسے حج اکبر کا دن کہا ہے جیسا کہ اس سورہ کی آیت ۳ میں گزر چکا۔ اور ابن کثیر نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے اس خیال کی تردید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۷)

۷۵۔ اشارہ ہے غزوۂ تبوک کی طرف جو رجب ۹ھ ۶۳۰ء میں پیش آیا فتح مکہ کے بعد اسلام ایک طاقت بن گیا تھا اور بڑی تیزی سے عرب پر چھا تا جا رہا تھا۔ اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ طاقت ور حکومت سلطنت روم تھی جس کی سرحدیں شام تک وسیع تھیں۔ شام میں غسانی خاندان جو عیسائی تھا رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا۔ قیصر روم نے اسلام کی اُبھرتی ہوئی طاقت کو کچلنے کے لئے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ زمانہ سخت گرمی کا تھا، فصلیں پک چکی تھیں اور سفر دور دراز کا تھا اس لئے گھر سے نکلنا طبیعتوں پر شاق تھا۔ جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری تھی وہ مصیبت کیوں جھیلتے۔ انہوں نے گھر میں بیٹھ رہنے ہی میں خیریت سمجھی۔ ان کے علاوہ مسلمانوں میں جو لوگ کمزور تھے ان کے لئے بھی یہ سفر کڑی آزمائش کا سبب بن گیا اور بعض تو تساہل کا شکار ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر تقریباً دو ہفتے قیام فرمایا۔ تبوک مدینہ سے شمال کی جانب ۶۸۶ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ رومی مقابلہ کے لئے نہیں آئے

اس لئے جنگ کی نوبت نہیں آئی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اقدام سے رومی سلطنت پر زبردست دھاک بیٹھ گئی اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اس سرحدی علاقہ میں جو عیسائی قبائل رومیوں کے زیر اثر تھے وہ اسلامی ریاست کے باجگذار بن گئے چنانچہ ایلہ، جرباء اذرُح اور اکیدر والوں نے آپ سے مصالحت کر لی اور جزیہ دینا قبول کر لیا اور تیسرا زبردست فائدہ یہ ہوا کہ تیس ہزار مجاہدین اسلام کی تربیت کا ایسا سامان ہوا کہ وہ قیصر و کسریٰ کو چیلنج کرنے کے قابل ہو سکے۔ حوصلہ کی یہی بلندی تھی جس نے آگے جا کر (دورِ فاروقی میں) انہیں دو عظیم طاقتوں پر فتح مندی عطاء کی۔

یہ مختصر پس منظر ہے اس سلسلۂ کلام کا جس کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے۔

۷۶۔ جہاد سے آدمی اس لئے جی چراتا ہے کہ اسے اپنی دنیا بنانے کی فکر ہوتی ہے اگر اسے اپنی آخرت بنانے کی فکر ہو تو وہ جہاد کرنے میں اپنی سعادت سمجھے گا۔

۷۷۔ جہاد سے جی چرانے پر جب اتنی سخت وعید سنائی گئی ہے تو اگر مسلمان دنیوی عیش کی خاطر یا ترک جہاد کے باطل نظریات کے تحت اپنے کو اس اہم فریضہ سے مستقل طور پر سبکدوش کر لیں تو بات کتنی سنگین ہوگی۔ آج دنیا میں مسلمان جس ہلاکت سے دوچار ہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے اندر جہاد کی اسپرٹ باقی نہیں رہی۔ اگر جہاد کا ولولہ ان کے اندر ہوتا تو نہ بیت المقدس ان کے ہاتھ سے چھین لیا جاتا اور نہ اسرائیل کے ہاتھوں وہ ذلیل ہوتے۔

۷۸۔ یعنی اللہ کے منصوبہ کے پورا ہونے کا انحصار تم پر نہیں ہے۔ اگر تم دین کے لئے مجاہدہ نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کسی اور گروہ کو اس کی توفیق بخشے گا۔

۷۹۔ یعنی اس فریضہ کی ادائیگی میں تم نے بے پرواہی سے کام لیا تو سوچو اس سے نقصان کس کو پہنچے گا؟ اللہ کو یا خود تمہاری اپنی ذات اور تمہاری اپنی اجتماعیت کو؟

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا
ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ
لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ
وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا
السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

۴۰ اگر تم اس کی ۸۰؎ مدد نہ کروگے تو (کچھ پرواہ نہیں) اللہ اس کی مدد ایسے وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا ۸۱؎ اور وہ دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی ۸۲؎ اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جو تم کو نظر نہ آئے ۸۳؎ اور کافروں کا بول پست کر دیا۔ اور اللہ کا بول بالا رہا۔ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ۸۴؎

انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

۴۱ نکل کھڑے ہو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل ۸۵؎ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانو۔ ۸۶؎

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ
وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ
لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾

۴۲ اگر فائدہ فوری ہوتا اور سفر بھی سہل ہوتا تو یہ ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے لیکن انہیں یہ مسافت دراز معلوم ہوئی ۸۷؎۔ اب یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یہ اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں ۸۸؎۔ اور اللہ جانتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿٤٣﴾

۴۳ (اے نبی!) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا، تم نے انہیں کیوں اجازت دیدی؟ (تم اجازت نہ دیتے) جب تک کہ تم پر یہ کھل نہ جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور یہ معلوم نہ کر لیتے کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔ ۸۹؎

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
بِالْمُتَّقِينَ ﴿٤٤﴾

۴۴ جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد نہ کرنے کی رخصت تم سے کبھی نہ طلب کریں گے۔ اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ ۹۰؎

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ
يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾

۴۵ رخصت تو وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہیں۔ ۹۱؎

۞ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ
اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا
مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٤٦﴾

۴۶ اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اس کے لئے کچھ سامان ضرور کر لیتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا ناپسند ہوا، اس لئے ان کو اس سے باز رکھا ۹۲؎ اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ۔

۸۰۔ یعنی پیغمبر کی۔

۸۱۔ اشارہ ہے ہجرت کے واقعہ کی طرف جو آپ کی بعثت کے ۱۳ رسال بعد (۶۲۲ء میں) پیش آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے نکلے تھے لیکن چونکہ کفار نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ آپ کو نکلنے کے لئے مجبور ہونا پڑا اس لئے فرمایا ''کافروں نے اسے نکال دیا تھا۔''

۸۲۔ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تھی اور اس غرض سے ایک رات آپ کے گھر پر پہرے بٹھا دیئے تھے لیکن آپ اس طرح مکہ سے نکلے کہ ان کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر تھے۔ مکہ سے ہجرت کر کے آپ کو مدینہ جانا تھا جو مکہ سے شمال میں واقع ہے لیکن آپ نے قصداً جنوب کی راہ اختیار کی تاکہ دشمنوں کو پتہ نہ چلے اور جبل ثور کی غار میں جو مکہ سے تقریباً ۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے پناہ لی۔ یہاں آپ نے تین راتیں گزاریں۔ اس نازک موقع پر آپ کے ساتھ کوئی جمعیت نہیں تھی بلکہ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ دشمن ہر طرف تلاش کرتے ہوئے جب غار کے پاس پہنچے تو حضرت ابوبکر کو تشویش ہوئی کہ دشمن کہیں دیکھ نہ لیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو اطمینان دلایا کہ غمگین نہ ہوں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ خدا کا کرنا یہ کہ دشمنوں نے غار میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا اور واپس چلے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نصرت تھی جو اس نازک موقع پر ظاہر ہوئی۔ اسی نصرت کا حوالہ دیکر یہاں مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے۔ اگر تم جہاد کے لئے نبی کے ساتھ نہ نکلو گے تو اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے نبی کی نصرت فرمائے گا جس طرح کہ اس نے ہجرت کے نازک موقع پر فرمائی جب کہ دو کے سوا کوئی تیسرا شخص غار میں موجود نہیں تھا۔

۸۳۔ مراد فرشتوں کی مدد ہے جس کا ظہور بدر اور حنین اور دیگر مواقع پر ہوا۔

۸۴۔ اللہ غالب ہے اس لئے اسی کا بول بالا رہتا ہے اور وہ حکیم ہے اس لئے اپنے پیغمبر کی نصرت اور غلبہ کے لئے نہایت حکیمانہ طریقے اختیار کرتا ہے۔

۸۵۔ یعنی سروسامان کم ہو یا زیادہ جب تمہیں جہاد کے لئے حکم دیا گیا ہے تو اس کی تعمیل کرنا چاہیئے۔

واضح رہے کہ اس وقت جہاد کے لئے نکلنے کا حکم تمام مسلمانوں کو دیا گیا تھا۔ اس سے مستثنیٰ یا تو خواتین تھیں یا وہ لوگ جو واقعی عذر رکھتے تھے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب کے قبائلی ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے ہر شخص تلوار چلانا جانتا تھا۔ اور تلوار سے مسلح رہتا تھا۔ مزید برآں اس جہاد کی نوعیت یہ تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایک منظم اور خالصۃً اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اس کے دشمنوں کے خلاف تھا۔ اس لئے معذور لوگوں کے سوا کسی کے لئے اس سے پیچھے رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔

اس حکم کا عمومی پہلو یہ ہے کہ جب منظم جہاد کا مرحلہ درپیش ہو اور مسلمانوں کا با اقتدار امیر انہیں اس کا حکم دیدے تو ان کے لئے نکلنا فرض ہو جاتا ہے۔ یہ اصولی بات ہے ورنہ موجودہ زمانہ میں ریاستوں کی فوج ہی اس قابل ہوتی ہے کہ باقاعدہ جنگ کرے۔

۸۶۔ یعنی اگر انجام پر تمہاری نگاہ ہے تو اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں کھپانا تمہارے لئے بڑی سعادت کی بات ہے۔

۸۷۔ یہ منافقوں کا حال بیان ہوا ہے جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت سے گریز کیا تھا جب کہ تمام مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے واضح ہوا کہ جب نفیر عام ہو جائے تو جہاد کے لئے نہ نکلنا کسی مخلص مؤمن کا کام نہیں۔

۸۸۔ یعنی جھوٹے عذر تراش کر یہ اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔

۸۹۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر بعض منافقین نے جھوٹے عذرات تراش کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت مانگی تھی اور آپ نے عفو درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں اجازت دیدی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ جب تک آپ یہ نہ معلوم کر لیتے کہ ان کا عذر واقعی عذر ہے انہیں اجازت نہ دیتے اس صورت میں انہیں اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع نہ ملتا۔

اس فروگذاشت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو متنبہ کرنے سے پہلے ہی فرمایا کہ اس نے آپ کو معاف کر دیا جس سے ایک طرف نبی کے حق میں اللہ تعالیٰ کی

شان کریمی کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسری طرف نبی کی عصمت پر کوئی حرف آنے نہیں پایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ بشریت کے تقاضے کے تحت اگر کسی نبی سے کوئی فروگذاشت ہو جائے تو وہ بروقت اس کی اصلاح فرما دیتا ہے تاکہ لوگوں کی صحیح رہنمائی ہو۔

۹۰۔ معلوم ہوا کہ متقی وہ شخص نہیں ہے جو کفر و اسلام کی جنگ میں اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرتے ہوئے گوشۂ عافیت سنبھال لے بلکہ متقی وہ ہے جو اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔

۹۱۔ اس سے نفاق کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرے لیکن اسلام پر مطمئن نہ ہو بلکہ شک میں مبتلا ہو۔ دل کی یہ کیفیت ایمان کے منافی ہے اور جس دل کی یہ کیفیت ہوتی ہے وہ اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے معاملہ میں ڈانوا ڈول رہتا ہے کیوں کہ جب آدمی کو دین کی حقانیت پر یقین نہیں ہوتا تو وہ اس کے لئے تن من دھن کی بازی نہیں لگاتا۔ مدینہ کے منافقین کا یہی حال تھا وہ نہ صرف اپنے کو مسلمان کہلاتے تھے بلکہ نماز بھی پڑھتے تھے اور زکوٰۃ بھی دیتے تھے لیکن یہ سب کچھ وہ بادلِ ناخواستہ کرتے تھے۔ حقیقتاً نہ ان کو اللہ سے محبت تھی اور نہ اس کے رسول سے۔ اس لئے جب اللہ کی راہ میں قربانی کا مطالبہ ہوتا تو ان پر پہاڑ ٹوٹ پڑتا اور وہ فرار کی راہ اختیار کرتے۔

آج بھی ایسے نام نہاد مسلمانوں کی کمی نہیں ہے جو اسلام کے بارے میں بری طرح شک میں مبتلا ہیں چنانچہ اس کا اظہار ہر ایسے موقع پر ہوتا رہتا ہے جب کہ اسلام کے لئے اپنے کو خطرہ میں ڈالنے اور اپنے مفاد کو قربان کرنے کا مطالبہ اُبھرتا ہے۔ مگر مسلم سوسائٹی میں گھل مل جانے کی وجہ سے انہیں اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا ہے۔

۹۲۔ یعنی جب انہوں نے جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو نکلنے کی توفیق عطا نہیں فرمائی کیوں کہ ان کا بادلِ ناخواستہ نکلنا اللہ کو پسند نہ تھا۔

غار ثور

جہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر اپنے ساتھی
حضرت ابوبکر کے ساتھ پناہ لی۔

مکہ سے فاصلہ ۵ کلومیٹر

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ
وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾

۴۷ اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے لئے خرابی ہی کا باعث بنتے اور تمہارے درمیان ان کی دوڑ دھوپ فتنہ انگیزی کے لئے ہوتی اور تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی بات پر کان دھرنے والے ہیں ۹۳؎ ۔اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ
حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾

۴۸ اس سے پہلے بھی انہوں نے فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی تھی۔اور تمہارے خلاف ہر طرح کی تدبیریں کرتے رہے ہیں ۹۴؎ یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا۔جب کہ ایسا ہونا ان کو ناگوار تھا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي
الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾

۴۹ ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے مجھے رخصت دید یجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے ۹۵؎ ۔سن لو یہ فتنہ میں گر چکے ۹۶؎ ۔اور جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ
يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾

۵۰ اگر تمہیں بھلائی پہنچتی ہے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں اچھا ہوا ہم نے پہلے ہی احتیاط سے کام لیا اور وہ اس طرح پلٹتے ہیں کہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔۹۷؎

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾

۵۱ کہو، ہمیں وہی کچھ پیش آئے گا جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے۔وہی ہمارا مولیٰ ہے۔اور مؤمنوں کو چاہیئے کہ اسی پر بھروسہ کریں۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى
الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ
بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ
مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾

۵۲ کہو، تم ہمارے لئے جس بات کا انتظار کرتے ہو وہ اس کے سوا کیا ہے کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے ۹۸؎ ۔اور ہم تمہارے لئے جس بات کے منتظر ہیں۔وہ یہ ہے کہ اللہ یا تو اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں تمہیں سزا دلوائے ۹۹؎ ۔اب تم بھی انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾

۵۳ کہو، تم خوشی سے خرچ کرو یا ناگواری کے ساتھ، تمہارا انفاق قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔۱۰۰؎

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ
كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾

۵۴ ان کے انفاق قبول نہ کئے جانے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نماز کے لئے آتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ آتے ہیں ۱۰۱؎ اور خرچ کرتے ہیں تو ناگواری کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔۱۰۲؎

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾

۵۵ تم ان کے مال اور اولاد کو دیکھ کر تعجب نہ کرو، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ان کے ذریعے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔۱۰۳؎

۹۳۔ اشارہ ہے سادہ لوح مسلمانوں کی طرف جو منافقوں کے فتنہ کا شکار ہوتے تھے۔

۹۴۔ منافقوں کی فتنہ پردازیوں کا ذکر اس سے پہلے متعدد سورتوں میں ہو چکا ہے۔

۹۵۔ طبری کی روایت ہے کہ جد بن قیس نے کہا تھا کہ میں روم کی حسین و جمیل عورتوں کو دیکھ لوں گا تو صبر نہ کرسکوں گا۔ اس لئے مجھے جہاد سے معاف رکھیئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ منافقین کیسے جھوٹے عذرات تراش لیتے تھے اور پھر ان پر تقویٰ کی کس طرح ملمع کاری کرتے تھے۔

۹۶۔ یعنی وہ فتنے سے بچنے کی باتیں کرتے ہیں لیکن کفر اور نفاق کے فتنہ میں جو سب سے بڑا فتنہ ہے وہ بُری طرح مبتلا ہیں۔

۹۷۔ یعنی ان منافقین کا حال عجیب ہے۔ ایک طرف رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کے بدخواہ بھی ہیں وہ مسلمانوں میں اپنے کو شامل بھی کرتے ہیں اور ان پر جو مصیبت آتی ہے اس پر خوش بھی ہوتے ہیں۔

۹۸۔ منافقین اس بات کے منتظر تھے کہ مسلمانوں کا لشکر رومیوں کے مقابلہ میں فتح مند ہوتا ہے یا لاشوں کا ڈھیر بن جاتا ہے اس کا جواب یہاں دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے جو صورت بھی پیش آجائے مسلمانوں کے لئے بھلائی ہی کی صورت ہے۔ اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوتی ہے تو وہ ایک محسوس کامیابی ہے اور اگر مسلمان مارے جاتے ہیں تو انہیں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔

۹۹۔ اس آیت کے نزول کو مشکل سے دو سال گذرے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا مسلمانوں کے ہاتھوں ان منافقین پر برسا۔ یہ نام نہاد مسلمان ہی تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا اور بعض قبائل نے تو موقع پاکر اسلام کے خلاف علم بغاوت بھی بلند کردیا تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے ان لوگوں کے خلاف جنگ کی اور بڑی خوبی سے ان فتنوں کا سدّ باب کیا۔

۱۰۰۔ فاسق یعنی خارج از اطاعت، منافق اللہ کی اطاعت کا کوئی کام کرتے بھی تھے تو وہ اللہ کی اطاعت کے جذبے سے نہیں اور جب بھی انہیں موقع ملتا پوری ڈھٹائی سے اللہ کی نافرمانی کے کام کر گزرتے ان کا یہ فسق تقویٰ کی ضد اور کفر کے ہم معنیٰ تھا۔

۱۰۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نساء نوٹ ۲۲۹ ۔ اور ۲۳۰ ۔

۱۰۲۔ یعنی وہ خوش دلی کے ساتھ اور محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ نہیں کرتے بلکہ مقصود دکھاوا ہوتا ہے۔

۱۰۳۔ یعنی ان لوگوں کو دنیوی سروسامانی کی جو فراوانی حاصل ہوئی ہے وہ کوئی قابل رشک چیز نہیں ہے کیوں کہ جس چیز پر وہ نازاں ہیں وہی ان کے لئے دنیا میں سوہان روح بننے والی ہے۔ اور یہ بات عام طور سے دیکھنے میں آتی ہے کہ زر پرستوں کے لئے ان کی دولت وبال جان بن جاتی ہے البتہ اس کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔

منافقین میں سے کتنے ہی لوگوں کو جو چیز مخلصانہ ایمان سے باز رکھے ہوئے تھی وہ مال اور اولاد کا گھمنڈ تھا۔ اس گھمنڈ نے بالآخر ان کو زکوٰۃ سے انکار کرنے پر آمادہ کیا اور حضرت ابوبکر نے جن کے دورِ خلافت کے آغاز ہی میں یہ واقعہ پیش آیا تھا ان کے خلاف جہاد کیا چنانچہ مدینہ کے اطراف میں عبس ذبیان قبیلوں کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی اس طرح دنیا ہی میں ان کو اپنے گھمنڈ کی سزا مل گئی اور وہ کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾

۵۶ وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ گھبرائے ہوئے لوگ ہیں۔ ۱۰۴

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷ اگر وہ کوئی پناہ کی جگہ یا کوئی غار یا کوئی چھپنے کی جگہ پالیں تو پوری سرکشی کے ساتھ اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوں۔ ۱۰۵

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸ اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو صدقات کے معاملہ میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اگر ان کو اس میں سے کچھ دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں اور نہ دیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں۔ ۱۰۶

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا اور کہتے کہ "ہمارے لئے اللہ کافی ہے وہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول بھی ۱۰۷۔ ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں" ۱۰۸۔ تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

۶۰ صدقات ۱۰۹ تو صرف محتاجوں اور مسکینوں کیلئے ہیں ۱۱۰ اور ان کے لئے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں ۱۱۱، اور وہ جن کے دلوں میں (اسلام) کی انسیت پیدا کرنا ہو ۱۱۲، نیز اسلئے ہیں کہ گردنیں چھڑانے میں ۱۱۳ اور قرض داروں کا بوجھ ہلکا کرنے میں ۱۱۴ اور اللہ کی راہ میں ۱۱۵ اور مسافروں پر خرچ کئے جائیں ۱۱۶۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے۔ ۱۱۷ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ ۱۱۸

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾

۶۱ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نبی کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص کان کا کچا ہے۔ کہو وہ تمہارے لئے گوش خیر ہے ۱۱۹۔ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، مؤمنوں کی بات پر یقین کرتا ہے ۱۲۰ اور جو لوگ تم میں سے ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے سرتا سر رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾

۶۲ وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں۔ حالانکہ اگر وہ مؤمن ہیں تو اللہ اور اس کا رسول اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کریں۔ ۱۲۱

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

۶۳ کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

۱۰۴۔ یعنی وہ مسلمانوں کے معاشرہ میں محض اس لئے شامل ہوئے ہیں کہ انہیں ڈر ہے کہ اس معاشرہ سے کٹ کر وہ کہیں جائے پناہ حاصل نہیں کر سکتے، ورنہ نہ وہ اپنے ایمان میں مخلص ہیں اور نہ حقیقتاً اسلامی برادری کا جزء ہیں۔

۱۰۵۔ یعنی ان کو اگر کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں ان کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہو تو وہ اسلام سے آزاد ہو کر اور مسلم معاشرہ سے اپنا رشتہ توڑ کر وہیں پہنچ جائیں مطلب یہ ہے کہ انہیں نہ اسلام سے دلچسپی ہے اور نہ مسلمانوں سے بلکہ یہ حالات ہیں جس نے انہیں تمہارے ساتھ باندھ رکھا ہے۔

۱۰۶۔ بیت المال میں زکوٰۃ کا جو مال جمع ہوتا تھا اس کی تقسیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرماتے تھے کہ وہ حقیقی مستحقین تک پہنچ جائے لیکن منافق اس پر اعتراض کرتے تھے کہ مال کی تقسیم منصفانہ طور پر نہیں ہو رہی ہے حالانکہ اللہ کے رسول سے بڑھ کر انصاف کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ اصل بات یہ تھی کہ منافقین میں سے جو محتاج ہوتے ان کی ان کے استحقاق کے بنا پر مدد کی جاتی اور جب ان کی مدد کی جاتی تو وہ خوش ہوتے۔ لیکن جب ان سے زیادہ مستحق لوگوں کو ترجیح دی جاتی تو وہ ناراض ہو جاتے۔ اسی طرح وہ منافق بھی بگڑ جاتے جو اس مال کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے لیکن مستحق نہ ہونے کی بنا پر ان کو اس میں سے کچھ نہ دیا جاتا۔

۱۰۷۔ یعنی رسول سے بدگمان ہونے کے بجائے یہ امید رکھتے کہ وہ اپنی طرف سے ان کی امداد و اعانت میں کوئی کمی نہیں کریگا بلکہ مزید نوازے گا۔ تو یہ ایمان و اخلاص سے مناسبت رکھنے والی بات ہوتی۔

۱۰۸۔ یعنی اس میں اصل رغبت مال سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے۔

۱۰۹۔ اوپر صدقات کی تقسیم کے سلسلے میں منافقین کے اعتراض کا جواب دیا گیا تھا۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صدقات کے اصل مستحق کون لوگ ہیں اور صدقات کن مدات پر صرف کرنے کے لئے ہیں تو یہ مصارف کل آٹھ ہیں۔

لفظ ''صدقہ'' صدق سے ہے۔ آدمی اللہ کے لئے مال خرچ کر کے اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ اپنے ایمان میں صادق ہے اس لئے اس مال کو جو وہ خرچ کرتا ہے صدقہ کہا گیا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

اَلصَّدَقَةُ بُرهانٌ (مسلم کتاب الطہارۃ) ''صدقہ برہان ہے'' عرف عام میں صدقہ خیرات کو کہا جاتا ہے مگر قرآن نے زکوٰۃ کے لئے ''صدقہ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے اور حدیث میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو فرمایا:

فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي اَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ

انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اموال میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے ناداروں کو دیا جائے گا۔ (البخاری کتاب الزکاۃ)

۱۱۰۔ متن میں ''فقرا'' اور مساکین'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یہ دونوں لفظ ایسے غریبوں کے لئے بولے جاتے ہیں جو معاش کیلئے مدد کے محتاج ہوں۔ یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں البتہ جب دونوں ایک ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں تو مقصود یہ واضح کرنا ہوتا ہے کہ فقراء وہ لوگ ہیں جو اوّل درجہ کے محتاج ہیں اور مساکین وہ جو دوم درجہ کے محتاج ہیں۔

فقرا (محتاجوں) کا ذکر سب سے پہلے ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کے اولین مستحق یہی لوگ ہیں۔ فقیر کا لفظ غنی کے بالمقابل ہے اور قرآن نے یہ لفظ ان مہاجرین کے لئے استعمال کیا ہے جو اپنے گھروں اور اپنے اموال سے محروم کر دیئے گئے تھے اور ہر طرح مدد کے مستحق تھے:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔ (الحشر۔۸)

''ان حاجت مند (فقراء) مہاجرین کے لئے ہے جو نکال دیئے گئے اپنے گھروں اور مالوں سے۔''

اس لئے فقرا سے مراد وہ لوگ ہیں جو فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں یا جو اپنی گذر بسر کیلئے محتاج ہو گئے ہوں یا جو معذوری کی بنا پر نہ کما سکتے ہوں اور نہ ان کی معاش کا کوئی انتظام ہو۔ ایسے غریب اور مفلس لوگوں کی مالی مدد کرنا زکوٰۃ کا اولین مصرف ہے۔ قرآن نے خاص طور سے ایسے فقراء (حاجتمندوں) کی مدد کرنے پر اُبھارا

ہے جو دین کی خدمت میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ اپنی معاش کیلئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے جن کی خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف حال لوگ ان کو غیر حاجتمند خیال کرنے لگتے ہیں:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔ (البقرہ۔۲۷۳)

''انفاق کے اصل مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے بے خبر آدمی ان کی خودداری کو دیکھ کر ان کو غنی خیال کرتا ہے مگر تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے''۔

رہے ''مساکین'' تو احتیاج کے لحاظ سے یہ دوسرے درجہ کے لوگ ہیں یعنی وہ غریب لوگ جن کے پاس گذر بسر کا سامان اتنا نہ ہو کہ ان کے لئے کفایت کر سکے یا ذریعہ معاش تو ہو لیکن یافت اتنی کم ہوتی ہو کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی بنیادی ضرورتوں کو پورا نہ کر پاتے ہوں۔قرآن نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کشتی کو مسکینوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

اَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ ''وہ کشتی مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کا کام کرتے تھے۔'' (الکھف۔۷۹)

معلوم ہوا کہ کسی چیز کی ملکیت یا کسی ذریعہ معاش کا ہونا مسکین ہونے کے منافی نہیں ہے جب کہ آدمی بقدر کفاف نہ پاتا ہو۔

۱۱۱۔ مراد وہ کارکنان ہیں جو زکوٰۃ کا مال وصول کرنے اس کی حفاظت وتقسیم نیز اس سے متعلق دیگر انتظامی امور کے لئے مقرر کئے گئے ہوں۔ان سب کی اجرت یا تنخواہیں زکوٰۃ کے مال سے ادا کی جا سکتی ہیں۔

یہ مصرف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ زکوٰۃ کی تحصیل وتقسیم کا باقاعدہ نظم ہو، تا کہ ایک طرف مالدار اپنی اس مالی ذمہ داری کو لازماً ادا کریں اور دوسری طرف ناداروں اور مسکینوں کو یہ ضمانت حاصل ہو کہ ان کا حق ان کو مل جائے گا نیز زکوٰۃ کے جو مصارف مصالح دین اور مصالح عامہ سے تعلق رکھتے ہیں ان پر بھی حسب ضرورت خرچ کیا جائے یہ نظم قائم کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے چنانچہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام قائم تھا۔

۱۱۲۔ مراد وہ لوگ ہیں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ان کے دلوں میں اسلام کی انسیت پیدا کرنے کے لئے ان کو مالی عطیے دینا تقاضائے مصلحت ہو۔ایسے لوگوں کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ غریب ہوں تب ہی ان کی مدد کی جائے بلکہ ان کے خوش حال ہونے کے باوجود ان کو اس مد سے دیا جا سکتا ہے اور اسلامی حکومت اس بات کی مجاز ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں زکوٰۃ کے مال میں سے اس مد پر خرچ کرے۔

۱۱۳۔ مراد لونڈی غلاموں کو غلامی سے آزاد کرنے پر مال خرچ کرنا ہے۔قرآن نے اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کے مال میں ایک حصہ متعین کر کے اس مقصد کی اہمیت کو نمایاں کیا ہے۔اب دنیا میں غلامی کا رواج باقی نہیں رہا لیکن ان بے گناہ مسلمان قیدیوں کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے جو کافروں کے قید وبند میں ہوں۔ ایسے لوگوں کو قید سے چھڑانے پر اس مد سے خرچ کیا جا سکتا ہے۔چنانچہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: ''امام احمد کے مسلک میں منقول ہے کہ زکوٰۃ سے مسلمان قیدی کو آزاد کرانا جائز ہے کیوں کہ یہ قید سے گردن چھڑانا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب غلامی کا خاتمہ ہو گیا ہے لیکن جنگیں تو جاری رہیں گی اور حق وباطل کا مقابلہ بھی ہوتا رہے گا۔ایسی صورت میں یہ گنجائش ہونی چاہیئے کہ مسلمان قیدیوں کا اس مد سے فدیہ ادا کیا جا سکے۔'' (فقہ الزکوٰۃ ج ۲ ص ۶۲۰)

۱۱۴۔ متن میں لفظ ''الغارمین'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ایسے قرض داروں کے ہیں جن کے لئے قرض ایک تاوان اور بوجھ بن گیا ہو۔مراد وہ قرض دار ہیں جو اپنے معاشی حالات کی بنا پر یا کسی اجتماعی مفاد کے کام میں حصہ لینے کے لئے قرض لینے پر مجبور ہوئے اور پھر قرض کے بوجھ تلے ایسے دب گئے کہ ادائیگی کی کوئی صورت نکال نہ سکے۔ایسے لوگ کمانے والے اور بظاہر غنی ہو سکتے ہیں لیکن قرض کی ادائیگی کے بقدر مال نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کے مال سے کی جائے۔

۱۱۵۔ متن میں ''فی سبیل اللہ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کے معنی ''اللہ کی راہ میں'' مراد وہ راہ ہے جس پر چل کر آدمی اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔ظاہر ہے یہ راہ دین حق یعنی اسلام ہے اور قرآن میں اس کا استعمال اسی معنی میں ہوا ہے مثلاً:۔

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ ''اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ'' (النحل۔۱۲۵)

اس آیت میں رب کے راستہ سے مراد دین اسلام ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجاً۔ (الاعراف۔۴۵) ''جو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔''

یہاں اللہ کی سبیل (راہ) سے روکنے کا مطلب اس کے دین سے روکنا ہے اسی طرح ہجرت، جہاد اور انفاق کے ساتھ ''فی سبیل اللہ'' کی ترکیب قرآن میں باکثرت استعمال ہوئی ہے جو خاص طور سے ان چیزوں کی مقصدیت (Causation) کو واضح کرتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ۔(النساء۔۷۶)

''اہل ایمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر طاغوت کی راہ میں۔''

وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ ''اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا۔'' (النساء۔۱۰۰)

اس آیت میں فی سبیل اللہ کے الفاظ ہجرت کے مقصد کو واضح کر رہے ہیں۔یعنی جو شخص محض اللہ کی خاطر اور اس کے دین کی حفاظت ونصرت کیلئے ہجرت کرے گا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْباً فِی الْاَرْضِ۔ (البقرہ۔۲۷۳)

''اعانت کے اصل مستحق وہ حاجتمند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔''

اس آیت میں اللہ کی راہ میں گھر جانے سے مراد دین کی خدمت میں مصروف ہو جانا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' (البقرہ۔۱۹۵)

یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد اللہ کے دین کے غلبہ اور اس کی سربلندی کے لئے خرچ کرنا ہے۔

وَتُجَاھِدُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ۔ ''اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے۔'' (الصف۔۱۱)

اس آیت میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے مراد دین حق کی حمایت میں اور اس کو غالب کرنے کے لئے جہاد کرنا ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے معنی جہاد کے نہیں ہیں ورنہ آیت کا ترجمہ ہوگا ''جہاد کرو جہاد میں'' بلکہ فی سبیل اللہ کے الفاظ جہاد کی غرض اور اس کے مقصد کو واضح کرتے ہیں کہ جہاد اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کے دین کے لئے ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ فی سبیل اللہ کا مصرف ایک وسیع مصرف ہے اور اس مصرف کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان کاموں پر صرف کرنے کے لئے ہے جو براہ راست مفاد دین سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ دیگر مصارف افراد پر یا ان کی بہبودی میں صرف کرنے کے لئے ہیں۔اگر فی سبیل اللہ کی مد سے غازی (مجاہدین) پر صرف کیا جاتا ہے تو اس سے ان کی شخصی مدد کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصود ان کے ذریعہ دین ہی کی حفاظت ومدافعت ہوتی ہے ورنہ یہ مجاہدین پر خرچ کرنے کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے آلات حرب بھی خریدے جا سکتے ہیں۔اور تمام دفاعی کاموں پر خرچ کیا جا سکتا ہے نیز ان کاموں پر بھی جن کا تعلق براہ راست دین کی دعوت اس کی اشاعت، اس کی شریعت کے نفاذ اور اس کے شعائر کو قائم کرنے سے ہے۔

موجودہ زمانہ میں دین کی اہم ترین ضرورت اس کی دعوت واشاعت کا کام ہے جس کیلئے داعی اور مبلغین تیار کرنے کی بھی ضرورت ہے اور علمی وفکری میدان میں جہاد کرنے کی بھی، قرآن کے پیغام کو بندگان خدا تک پہنچانے کی بھی ضرورت ہے اور اصلاح وارشاد کیلئے اجتماعات کے انعقاد کی بھی۔دینی تعلیم کو عام کرنے کیلئے مدارس کی بھی ضرورت ہے اور جامعات کی بھی۔کہیں اسلام کے عائلی قوانین کے تحفظ کا مسئلہ ایک اہم ملّی مسئلہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے تو کہیں تطبیق شرعیہ کا

مسئلہ۔ ان امور کے علاوہ مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور بیدار کر کے ایک ملّت کی حیثیت سے انکی شیرازہ بندی کرنے، قضائے شرعی کے نظام، بیت المال اور اسلامی مراکز قائم کرنیکی ضرورت بھی وقت کی اہم ترین ملی ضرورت ہے اوران ضرورتوں پر خرچ کرنے کیلئے فی سبیل اللہ کی مد میں پوری گنجائش موجود ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء نے عام طور سے فی سبیل اللہ کو جہاد کے معنی میں لیا ہے لیکن ایسے علماء بھی ہیں جن کے نزدیک اس کے مفہوم میں کافی وسعت ہے چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں: ''فی سبیل اللہ کے الفاظ سے لازم نہیں آتا کہ اس سے مراد صرف غازی ہوں۔ چنانچہ قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر قسم کے خیر کے کام مثلاً مُردوں کی تکفین، قلعوں کی تعمیر، مسجدوں کی آبادکاری وغیرہ پر صدقات کا مال خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ فی سبیل اللہ کے عموم میں یہ سب باتیں شامل ہیں۔'' (تفسیر رازی ج۱۶ ص ۱۱۲)

سیّد صدیق حسن خان ''الروضة الندية'' میں لکھتے ہیں: ''یہاں سبیل اللہ سے مراد اللہ کی راہ ہے اور جہاد اگرچہ اللہ کی سب سے بڑی راہ ہے لیکن اس مد کو جہاد کیلئے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ہر ایسے کام پر صرف کرنا صحیح ہے جو اللہ کی راہ کے مفہوم میں ہو۔ یہاں لغوی طور پر آیت کے یہی معنی ہیں اور جب شرعاً کوئی اور معنی منقول نہیں ہیں تو ضروری ہے کہ لغوی معنی ہی مراد لئے جائیں۔'' (فقہ الزکوٰۃ۔ القرضاوی ج ۲ ص ۶۴۷ بحوالہ الروضة الندية ج ۱ ص ۲۰۶)

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں: ''سبیل اللہ میں وہ تمام شرعی اور عمومی مصالح شامل ہیں جن پر دین اور ریاست کے معاملات کا دارومدار ہے پہلی اور مقدم مصلحت جنگ کی تیاری ہے مثلاً اسلحہ کی خرید، فوج کے لئے راشن، ذرائع حمل ونقل سامان جنگ وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے تعلق سے موجودہ زمانہ میں اہم ترین کام یہ ہے کہ اسلام کے لئے داعی تیار کئے جائیں اوران کو منظم جماعتوں کی طرف سے وافر مالی امداد دیکر کافروں کے ممالک میں بھیج دیا جائے جس طرح کفار اپنے مذہب کے پرچار کے لئے کرتے ہیں۔'' (فقہ الزکوۃ ج ۲ ص ۶۴۹ بحوالہ تفسیر المنارج ، ج ۱۰ ص ۵۸۵)

شیخ محمود شلتوت لکھتے ہیں: ''یہ مد مصالح عامہ کی ہے جس میں نہ کسی کی ملکیت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ یہ کسی فرد کے فائدہ کیلئے خاص ہے بلکہ اس کی ملکیت اللہ کیلئے اور اس کی منفعت خلق خدا کیلئے ہے ان مصالح میں سب سے مقدم جنگی ضروریات ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور ان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اسلام کے داعیوں کیلئے ایسے وسائل فراہم کئے جائیں کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو پیش کرنے، دین کو پھیلانے اور اس کے احکام کی تبلیغ کا کام کرسکیں۔'' (الاسلام عقیدۃ وشریعۃ ص ۱۰۰)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: ''اس لئے میں سبیل اللہ کا مدلول متعین کرنے میں ایسے توسع کا قائل نہیں کہ ہر قسم کے مصالح اور تقرب کے کام اس میں شامل ہوجائیں اور نہ ہی اس کے دائرہ کو اتنا تنگ سمجھتا ہوں کہ وہ صرف عسکری جہاد کے لئے ہو کر رہ جائے۔ جہاد جس طرح تلوار اور نیزہ سے کیا جاتا ہے اسی طرح زبان اور قلم سے بھی کیا جاتا ہے اور جس طرح جہاد عسکری ہوتا ہے اسی طرح فکری، تربیتی، اجتماعی اقتصادی اور سیاسی بھی ہوتا ہے۔'' (فقہ الزکوۃ ج ۲ ص ۶۵۷)

فاضل مؤلف آگے لکھتے ہیں: ''البتہ موجودہ حالات میں فی سبیل اللہ سے جو اولین اور اہم ترین چیز مراد لی جائیگی وہ ہے صحیح اسلامی زندگی کے احیاء کا وہ پروگرام جو اسلام کے جملہ احکام، عقائد، تصورات، شعائر، شرعی قوانین اور اخلاق وآداب کو روبہ کار لانے کیلئے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔صحیح اسلام کو پیش کرنے کیلئے دعوتی مراکز قائم کرنا جن کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے میں ادیان ومذاہب کی کشمکش کے درمیان غیر مسلمین تک اسلام کا پیغام پہنچایا جاسکے یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔'' (فقہ الزکوۃ ج ۲ ص ۶۶۷، ۶۶۸)

۱۱۶؎ مسافر اپنے وطن میں غنی ہونے کے باوجود سفر میں مدد کا مستحق ہوسکتا ہے۔ ایسے ضرورت مند مسافروں کی مدد زکوٰۃ کے مال سے کی جاسکتی ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کہ سفر کی دشواریاں بہت زیادہ تھیں مسافر اپنے وطن سے بالکل منقطع ہوجاتا تھا۔ اس حال میں اگر زادِراہ ختم ہوجاتا تو اسے غیر معمولی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس لئے قرآن نے نہ صرف مسافر نوازی کی ترغیب دی بلکہ مصارف زکوٰۃ میں ایک مصرف مسافروں کے لئے مخصوص کردیا ہے۔

آج بھی جب کہ سفر کافی آسان ہوگیا ہے ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک مسافر کی پونجی ختم ہوجاتی ہے اور وہ اپنے وطن میں غنی ہونے کے باوجود گھر سے بروقت روپیہ منگا نہیں سکتا۔ اگر وہ کسی غیر ملک میں ہے تو زرمبادلہ (Foreign Exchange) کا قانون اس میں مانع ہوتا ہے اس لئے مسافروں پر

خرچ کرنے کی ضرورت آج بھی پیش آتی رہتی ہے۔

۱۱۷۔ یہ تاکیدی حکم ہے کہ زکوٰۃ کے یہ مصارف اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اس لئے اس کی تقسیم اسی ضابطہ کے مطابق عمل میں آنی چاہیئے۔ اس دائرہ سے باہر کسی شخص کو زکوٰۃ دینا یا کسی اور مد پر زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ ان آٹھ مصارف کا مفہوم اور ان کا دائرہ متعین کرنے میں مفسرین اور فقہاء کے درمیان کافی اختلاف ہوا ہے اس لئے ہم نے اس آیت کی تفسیر میں زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے تاکہ دلائل واضح ہوں اور بات سُلجھے ہوئے انداز میں سامنے آجائے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ طوالت گوارا کرنا پڑی۔ اب ایک مسئلہ رہ جاتا ہے اور وہ ہے تملیک کا۔ عام طور سے فقہاء اس کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ جس پر صرف کرنا ہو اس کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے اس لئے وہ فی سبیل اللہ کی مد کو بھی مجاہدین کے لئے خاص کرتے ہیں انکا استدلال لِلْفُقَرَاءِ کے حرف لام سے ہے جو ان کے نزدیک لام تملیک ہے حالانکہ عربی میں لام صرف تملیک کے لئے نہیں آتا بلکہ استحقاق اور فائدہ پہونچانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور سلسلۂ کلام پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہاں لام استحقاق کے معنیٰ ہی میں آیا ہے کیوں کہ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو اعتراض کرتے تھے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے اصل مستحق یہ فقراء اور مساکین وغیرہ ہیں نہ کہ وہ معترضین جو ان میں سے کسی صنف میں نہیں آتے اور چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ کا مال انہیں ملے۔ دوسری بات یہ کہ بیان کردہ آٹھ مصارف میں سے صرف ابتدائی چار مصارف کے ساتھ حرف لام آیا ہے۔ بقیہ چار مصارف یعنی گردنیں چھڑانے قرض داروں کا بوجھ ہلکا کرنے، سبیل اللہ اور مسافر کے ساتھ لام نہیں بلکہ ''فی'' آیا ہے۔ جس کے لفظی معنیٰ ''میں'' کے ہیں اس لئے ان چار مصارف کے سلسلہ میں تو تملیک کی شرط کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور ''فی'' سے جو مفہوم واضح ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ ان کاموں پر یا ان کی بہبود پر مال خرچ کیا جائے اور ''فی سبیل اللہ'' میں تو افراد کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے اس لئے یہ مد افراد کی قید کے بغیر خدمتِ دین اور مصالح دین پر خرچ کے لئے ہے۔

۱۱۸۔ اس لئے تقسیمِ زکوٰۃ کا یہ حکم علم و حکمت پر مبنی ہے۔

۱۱۹۔ منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ باتیں کرتے اور دین کا مذاق اڑاتے اور جب سچے اہل ایمان ان کی یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچاتے اور آپ منافقین سے پوچھتے تو وہ انکار کرتے اور طنز کرتے کہ آپ ہر شخص کی بات سن لیتے ہیں۔ ان کی اس حرکت پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ نبی نے تمہاری بھلائی کے لئے اپنے کان کھلے رکھے ہیں۔ تمہاری ناروا حرکتیں اس کے علم میں لائی جاتی ہیں تو وہ اس لئے سنتا ہے کہ تمہیں اس پر متنبہ کردے اور تمہاری اصلاح ہو۔ وہ نہ شر کی ٹوہ میں رہتا ہے اور نہ شر پسندی کی غرض سے کوئی بات سنتا ہے۔ اس کے کان سرتاسر گوش خیر ہیں۔

۱۲۰۔ یعنی وہ ایسے ویسے لوگ نہیں جن کی باتوں پر یقین کر کے وہ تمہارے بارے میں بدگمان ہوتا ہو بلکہ وہ سچے اہل ایمان ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ان کی باتوں پر یقین نہ کیا جائے کیونکہ کوئی مخلص مؤمن یہ جرأت کر ہی نہیں سکتا تھا کہ آپ کے سامنے جھوٹ بولے یا غلط باتیں آپ کو باور کرانے کی کوشش کرے۔

۱۲۱۔ منافقین جھوٹے بہانے بنا کر مسلمانوں کو خوش کرنے کی جو کوشش کرتے تھے اس پر یہاں گرفت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ان کو اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے کہ اللہ کو اور اس کے رسول کو راضی کریں حالانکہ ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس کو اولیت دیتے اور اگر وہ واقعی اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا چاہتے تو جھوٹے بہانے ہرگز نہ پیش کرتے۔

آیت کو اگر اپنے محل پر رکھ کر دیکھا جائے تو اس کا یہ مفہوم بالکل واضح ہے لیکن اہل بدعت آیات کو اپنے محل سے ہٹاتے ہیں اور پھر ان کا الٹا سیدھا مطلب نکال لیتے ہیں چنانچہ اس آیت کی بدعتی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ عبادات میں بھی اللہ کے ساتھ اس کے رسول کی رضا کی نیت ہونی چاہیئے کہ یہ کمال ایمان ہے حالانکہ یہاں عبادات کا مسئلہ سرے سے زیر بحث ہی نہیں ہے بلکہ رسول کی موجودگی میں جہاد کیلئے رسول کا ساتھ نہ دینے پر منافقوں کو تنبیہ کی گئی ہے اور جہاں تک عبادت کا تعلق ہے صرف اللہ کی عبادت اور خالصۃً اسی کی رضا کے لئے کرنے کا حکم قرآن میں جابجا دیا گیا ہے مگر اہل بدعت ان تمام باتوں سے قطع نظر کر کے آیات قرآنی کا گمراہ کن مطلب نکالتے ہیں اور پچھلی امتیں اللہ کی کتاب کا غلط مطلب نکال کر ہی گمراہ ہوتی رہی ہیں۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

٦٤ منافق ڈر رہے ہیں کہ ان پر (مسلمانوں پر) کوئی ایسی سورہ نازل نہ ہوجائے جو ان کو ان (منافقین) کے دلوں کے بھید سے آگاہ کردے۔ ۱۲۲؎ کہو مذاق اڑاؤ۔ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو۔ ۱۲۳؎

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾

٦٥ اور اگر تم ان سے پوچھو تو جواب دیں گے ہم تو یونہی باتوں میں مشغول تھے اور ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ کہو کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟ ۱۲۴؎

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾

٦٦ بہانے نہ بناؤ۔ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمہارے کسی گروہ سے درگذر کر بھی لیں تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہے۔ ۱۲۵؎

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ ۱۲۶؎ بُرائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں۔ ۱۲۷؎ اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ ۱۲۸؎ یہ اللہ کو بھول گئے ۱۲۹؎ تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ ۱۳۰؎ یقیناً یہ منافق بڑے فاسق ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾

٦٨ اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ۱۳۱؎۔ وہی ان کے لئے کافی ہے۔ ان پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

٦٩ تمہارا حال بھی وہی ہوا جو تمہارے پیش رووں کا تھا۔ وہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور تھے۔ اور مال و اولاد میں بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ (تو ان کا کیا حال ہوا؟) انہوں نے اپنے حصہ کا فائدہ اٹھالیا اور تم نے بھی اپنے حصہ کا فائدہ اسی طرح اٹھالیا جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں نے اٹھالیا تھا۔ اور تم بھی اسی طرح الجھتے رہے جس طرح وہ الجھتے رہے ۱۳۲؎۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے ۱۳۳؎۔ اور یہی لوگ ہیں تباہ ہونے والے۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

٧٠ کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ نوح، عاد اور ثمود کی قومیں ۱۳۴؎، ابراہیم کی قوم ۱۳۵؎، اہل مدین ۱۳۶؎ اور وہ بستیاں جو الٹ دی گئیں ۱۳۷؎۔ ان کے رسول ۱۳۸؎ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر ایسا نہیں ہوا کہ اللہ نے ان پر ظلم کیا ہو بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔

۱۲۲۔ منافقین قرآن پر سچا ایمان تو نہیں رکھتے تھے لیکن غیب کی ان خبروں کے پیش نظر جو قرآن دے رہا تھا وہ اس شک میں ضرور مبتلا تھے کہ قرآن آپ پر غیب سے نازل ہوتا ہے اس لئے وہ یہ اندیشہ محسوس کرتے تھے کہ کوئی سورہ ایسی نازل نہ ہو جائے جو ان کے دل کی پوشیدہ باتوں کو بے نقاب کر کے رکھ دے۔

۱۲۳۔ اور سورۂ توبہ نے منافقین کی تمام سازشوں کو بے نقاب کر کے رکھ دیا اور ان کے ایک ایک راز کو آشکارا کر دیا۔

۱۲۴۔ اللہ، اس کی کتاب اور اس کا رسول سب سے زیادہ احترام کے مستحق ہیں اور کوئی سچا مسلمان یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ ان کا مذاق اڑائے۔

۱۲۵۔ منافقوں میں شر و فساد کے لحاظ سے مختلف درجہ کے لوگ تھے۔ کسی کا معاملہ اپنی حد تک محدود تھا اور کوئی مجرمانہ کارروائیوں میں مشغول تھا اس لئے فرمایا کہ پہلی قسم کے لوگوں سے اگر ہم درگذر کر بھی لیں تو جن کا معاملہ مجرمانہ نوعیت کا ہے ان کو ضرور سزا دیں گے۔ یہاں درگذر سے مراد دنیا میں درگذر کرنا ہے اور سزا دینے سے مراد بھی دنیا میں سزا دینا ہے رہی آخرت تو جیسا کہ آگے آیت ۶۸ میں واضح کیا گیا ہے ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ ان منافقین کو دنیا میں بڑی ذلت کی سزا ملی۔ مثال کے طور پر ان کی بنائی ہوئی مسجد ''مسجد ضرار'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جلا دی گئی۔ اسی طرح جس گھر میں وہ مجلس جمع کر فتنہ سامانیاں کرتے تھے وہ ایک یہودی سُوَیلم کا گھر تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ بھی نذر آتش کر دیا گیا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۱۷۱)

۱۲۶۔ یعنی سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے اور ایک ہی قسم (Categary) کے لوگ ہیں وہ صرف نام کے مسلمان ہیں ورنہ ان کو اسلام سے نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ دلچسپی۔

۱۲۷۔ ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ آدمی بھلائی کے کام کرنے کے لئے کہتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے لیکن اس کے برعکس نفاق کی خصوصیت یہ ہے کہ آدمی برائی پر لوگوں کو آمادہ کرتا ہے اور بھلائی کے کام کرنے سے منع کرتا ہے۔ منافقوں کا یہ کردار محض ماضی کی بات نہیں بلکہ حال کا بھی واقعہ ہے۔ اور قرآن میں منافقوں کا یہ کردار اس لئے بیان کیا گیا ہے تا کہ اس آئینہ میں ہر دور کے منافقوں کا عکس دیکھا جا سکے۔

۱۲۸۔ یعنی خیر کے کاموں پر اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ان کی مٹھیاں بند ہیں۔

۱۲۹۔ منافق اللہ کے نام کی قسمیں بھی کھاتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے اس کے باوجود وہ اللہ کو بھول گئے تھے کیوں کہ نہ تو ان کی حقیقی غایت رضائے الٰہی کا حصول تھا اور نہ ان کو اللہ کی عبادت و اطاعت سے کوئی لگاؤ تھا۔ وہ اعتقادی کفر میں مبتلا تھے اور دینداری کا مظاہرہ محض سماج کے دباؤ کے تحت یا اس کو خوش کرنے کے لئے کرتے تھے۔

۱۳۰۔ اللہ کے بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انہیں خیر کی توفیق نہیں دیتا اور اس نے اپنی عنایات سے انہیں محروم کر دیا ہے۔

۱۳۱۔ دنیا میں مسلم سماج کی تشکیل ظاہری اسلام کی بنیاد پر ہوتی ہے کوئی شخص بھی کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو سکتا ہے اور مسلم سوسائٹی میں شمولیت اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اسلام اس شخص کا ہے جو دل سے ایمان لایا ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے لئے وفاداری کے جذبات رکھتا ہو۔ بالفاظ دیگر وہ دین کو قبول کرنے میں مخلص ہو۔ اور آخرت کی کامیابی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔ رہے وہ لوگ جو اسلام کے دین حق ہونے کے بارے میں شک اور تذبذب میں مبتلا ہوں اور جن کی وفاداریاں خدا اور شیطان کے درمیان بٹی ہوئی ہوں یا جن کے دل کفر سے بھرے ہوئے ہوں اور محض مسلم سوسائٹی میں اپنی شمولیت برقرار رکھنے کے لئے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں تو ایسے لوگ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں نہ حقیقۃً مسلمان ہیں اور نہ آخرت میں ان کا شمار مؤمنین میں ہوگا۔ ان کو جہنم کی سزا اسی طرح بھگتنا ہوگی جس طرح دوسرے کافروں کو بھگتنا ہوگی۔

۱۳۲۔ جو لوگ اپنے ایمان میں مخلص نہیں ہوتے وہ کبھی اسلام کے عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور کبھی شرعی احکام کے بارے میں بحث کھڑی کر دیتے ہیں تا کہ لوگ شریعت سے متنفر ہو جائیں۔

۱۳۳۔ یعنی بظاہر انہوں نے نیکی کے کچھ کام کئے بھی ہوں تو چونکہ یہ کام خلوص دل سے اللہ کیلئے نہیں کئے گئے تھے اور کفر کی آلائش سے پاک نہیں تھے اس لئے

اللہ تعالیٰ کی میزان میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا اور دنیا میں بھی ان کے یہ کام خیر و برکت کا باعث نہیں بنیں گے۔

۱۳۴۔ ان قوموں کی سرگذشتیں سورۂ اعراف آیت ۵۹ تا ۷۹ میں گزر چکیں ہیں۔

۱۳۵۔ قوم ابراہیم ایک بت پرست قوم تھی جس کی تباہی کا ذکر سورۂ انبیاء میں ہوا ہے۔

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۔ (الانبیاء۔۷۰) ''ہم نے انہیں بری طرح تباہ کردیا۔''

اور سورہ صافات میں

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۔ (الصافات۔۹۸) ''ہم نے ان کو پست اور ذلیل کردیا۔''

۱۳۶۔ ان کی سرگذشت بھی سورۂ اعراف آیت ۸۵ تا ۹۳ میں گزر چکی ہے۔

۱۳۷۔ مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں یعنی سدوم اور عمورہ کی بستیاں ان کا قصہ بھی سورہ اعراف آیت ۸۰ تا ۸۴ میں گزر چکا ہے۔

۱۳۸۔ رسولوں کو قوموں کی طرف اس مناسبت سے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ان قوموں کے اندر ہی سے برپا کئے گئے تھے۔

مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں ایسے باغوں سے نوازے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان جاودانی باغوں میں پاکیزہ مکانات ہوں گے اور انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی جو سب سے بڑی چیز ہے یہی عظیم کامیابی ہے۔(القرآن)

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ
يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

[۷۱] اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ۱۳۹۔ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

[۷۲] مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں ایسے باغوں سے نوازے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان جاودانی باغوں میں پاکیزہ مکانات ہوں گے ۱۴۰۔ اور انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی جو سب سے بڑی چیز ہے ۱۴۱۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾

[۷۳] اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ ۱۴۲۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا
بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ
اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا
لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ
وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾

[۷۴] یہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کہا۔ حالانکہ انہوں نے ضرور کفر کی بات کہی اور اسلام لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا اور وہ کچھ کرنا چاہا جو کر نہ سکے ۱۴۳۔ ان کی خفگی محض اس بنا پر ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیا اور اس کے رسول نے بھی۔ ۱۴۴۔ اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر منہ پھیر لیں گے تو اللہ انہیں دنیا میں بھی دردناک سزا دے گا اور آخرت میں بھی۔ اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ
وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

[۷۵] اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمایا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بن کر رہیں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾

[۷۶] لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو وہ بخل کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے اور وہ ہیں ہی (نیک روی سے) یکسر پھرے ہوئے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ
بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾

[۷۷] اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے ان کے دلوں میں اس کے حضور پیشی کے دن تک کیلئے نفاق بٹھا دیا۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔ ۱۴۵۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ
اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾

[۷۸] کیا انہیں نہیں معلوم کہ اللہ ان کی راز کی باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو جانتا ہے اور اللہ غیب کی تمام باتوں کو جاننے والا ہے۔

۱۳۹۔ اوپر منافق مردوں اور منافق عورتوں کی خصوصیات بیان کی گئیں تھیں یہاں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی خصوصیات بیان کی گئیں ہیں تا کہ دونوں کا فرق واضح ہو جائے۔

۱۴۰۔ مکیں بھی جاوداں اور مکاں بھی جاوداں۔

۱۴۱۔ یعنی تمام نعمتوں سے بڑھ کر جو نعمت انہیں حاصل ہوگی وہ اللہ کی خوشنودی ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو تمام نعمتوں کی کلید ہے کیوں کہ جس ہستی کے ہاتھ میں آسمان وزمین کے خزانے ہیں اس کی رضا حاصل ہونے کے بعد بندہ کا اس کی نعمتوں سے مالا مال ہو جانا ایک لازمی بات ہے اور یہ ایک ایسی سعادت ہے جس میں قلب کی تسکین کا پورا سامان اور روحانی مسرتوں کے تمام راز پوشیدہ ہیں۔ یہی وہ آخری غایت ہے جس کے حصول کی تمنا مؤمن کے دل میں کروٹیں لیتی رہتی ہے۔

۱۴۲۔ یعنی منافقوں کے ساتھ اب درگذر کا معاملہ نہ کیا جائے بلکہ سختی کا معاملہ کیا جائے اور جس حد تک ضروری ہو ان کے خلاف طاقت بھی استعمال کی جائے۔ سختی کا یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ ان کا نفاق ظاہر ہو گیا تھا۔ اور ان کا کفر کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ یہ نام نہاد مسلمان تھے۔ لیکن اسلام دشمنی کے لحاظ سے ان میں اور کافروں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ یہ کافرانہ کلمات تو اپنی زبان سے نکالتے ہی تھے علاوہ ازیں انہوں نے اسلام کو زک پہنچانے اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے اور ان کے اندر فتنہ برپا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی سازشیں کرتے رہے اس لئے آستین کے ان سانپوں سے اب دشمن کا سا معاملہ کرنا ضروری تھا۔

۱۴۳۔ یعنی اسلام اور پیغمبر کے خلاف انہوں نے طرح طرح کی سازشیں کیں لیکن ان کی کوئی سازش اور ان کا کوئی منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

۱۴۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے سے پہلے مدینہ کے عام لوگ غریب تھے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد جب مدینہ اسلام کا دارالسلطنت قرار پایا تو تجارت کو بھی فروغ ہوا اور پھر فتوحات کا جو سلسلہ چلا تو وافر دولت مدینہ والوں کے ہاتھ آ گئی۔ اس طرح اللہ نے ان کے رزق میں کشادگی پیدا کی اور اس کے رسول نے اپنے احسانات سے انہیں نوازا لیکن انہوں نے اس کے جواب میں اللہ کے ساتھ کفر اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کا رویہ اختیار کیا۔

۱۴۵۔ واضح ہوا کہ اللہ سے وعدہ کر کے پھر جانے اور جھوٹ بولتے رہنے سے دل میں نفاق پرورش پاتا ہے۔

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي
الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ
فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

۷۹ جولوگ خوش دلی سے انفاق کرنے والے مؤمنوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو اپنی محنت مزدوری کے سوا انفاق کے لئے کچھ نہیں پاتے ۱۴۶۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٨٠﴾

۸۰ (اے پیغمبر!) تم ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو۔ تم اگر ستر مرتبہ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کروگے تو بھی اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ۱۴۷۔ اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ ۱۴۸

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ
قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿٨١﴾

۸۱ جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے ۱۴۹ وہ اللہ کے رسول کے پیچھے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔ کہو جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے ۱۵۰۔ کاش وہ سمجھ لیتے!

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

۸۲ اب وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ ۱۵۱، اس (برائی) کی پاداش میں جو یہ کماتے رہے ہیں۔

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ
فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ
رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾

۸۳ اگر اللہ ان کے کسی گروہ کی طرف تمہیں واپس لے جائے ۱۵۲ اور وہ تم سے (جہاد میں) نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہدو تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکل سکتے اور نہ کبھی میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑ سکتے ہو ۱۵۳۔ تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ
إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨٤﴾

۸۴ اور ان میں سے جو مرے اس کی نماز (جنازہ) تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ فاسق تھے۔ ۱۵۴

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ
بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

۸۵ اور ان کے مال اور اولاد تم کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ دنیا میں ان کو سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ ۱۵۵

۱۴۶ ۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر سفر اور جنگ کے کثیر مصارف کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ انفاق کرنے کی ضرورت تھی۔اس اہم موقع پر منافقین نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنا ہاتھ روکا لیکن جن مخلص مسلمانوں نے عظیم مالی قربانیاں پیش کیں ان پر یہ فقرہ چست کیا کہ وہ ریا کاری کے لئے ایسا کر رہے ہیں اور ان میں جو لوگ غریب تھے انہوں نے جب اپنی محنت مزدوری کی اجرت کا نذرانہ اللہ کی راہ میں پیش کر دیا تو اس کی ناقدری کرتے ہوئے منافق مذاق اڑانے لگے کہ اللہ کو ایسے حقیر مال کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۴۷ ۔ یعنی ان منافقین کی ظاہری حالت یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں کیونکہ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔اس لئے ممکن ہے کہ تم ان کے ظاہر کا اعتبار کر کے ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کرو لیکن چونکہ وہ اپنے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کافرانہ جذبات رکھتے ہیں اس لئے اللہ ان کو ہرگز معاف کرنے والا نہیں۔اللہ کے ہاں جس طرح شرک ناقابل معافی گناہ ہے اسی طرح کفر بھی ناقابل معافی گناہ ہے۔

واضح رہے کہ ستر مرتبہ سے مراد کثرت ہے نہ کہ خاص تعداد اور مقصود قطعیت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ منافقوں کے حق میں پیغمبر کی دعائے مغفرت بھی قابل قبول نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی مرتبہ کی گئی ہو۔

تقریباً یہی بات سورہ منافقون میں بھی کہی گئی ہے جو سورہ توبہ سے کافی پہلے نازل ہوئی تھی۔

۱۴۸ ۔ یہاں فاسق سے مراد وہ نافرمان لوگ ہیں جن کی نافرمانی کافرانہ جذبات کے ساتھ ہو ایسے لوگوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھلتی۔

۱۴۹ ۔ مراد وہ منافقین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رکھا۔

۱۵۰ ۔ عیش پسند انسان راہِ حق کی تکلیفیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ اگر آخرت برپا ہوگی تو وہاں اس کو عافیت کی زندگی نصیب ہوگی۔یہ فریب نفس ہے جس میں انسان مبتلا رہتا ہے لیکن جب آخرت برپا ہوگی اور جہنم کو وہ اپنے سامنے دیکھ لے گا۔تو یہ بات اس پر کھل جائے گی کہ اللہ کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں کو اس نے برداشت نہ کر کے کہیں زیادہ سخت تکالیف کو دعوت دی ہے۔دنیا کی جس گرمی سے گھبرا کر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں جی چراتا رہا وہ جہنم کی گرمی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی۔

۱۵۱ ۔ یعنی ان کے ہنسنے کے دن کم رہ گئے اس کے بعد ان کو رونا ہی رونا ہے۔

۱۵۲ ۔ یہ آیتیں جنگ تبوک سے واپسی میں دوران سفر نازل ہوئی تھیں۔

۱۵۳ ۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اب ان منافقین کو کسی بھی جہاد میں نکلنے کی توفیق نہ ہوگی۔

۱۵۴ ۔ آیت ۷۳ میں منافقوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی جو ہدایت دی گئی تھی یہ حکم اسی سلسلہ کی کڑی ہے اور ان منافقین کے بارے میں ہے جن کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا ہو اور جو صریح کفر کے مرتکب ہو گئے ہوں۔ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کی قبر پر کھڑے ہونے سے بھی۔قبر پر کھڑے ہونے کا مطلب قبر پر جا کر دعائے مغفرت کرنا اور رحمت کے جذبات کا اظہار کرنا ہے۔یہ ممانعت جس طرح منافقوں کے لئے ہے اسی طرح کافروں مشرکوں اور ملحدوں کے لئے بھی ہے کیونکہ جو لوگ مرتے دم تک کافر رہے وہ اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ کے دشمنوں کے لئے ایک مؤمن کے دل میں نرم گوشہ نہیں ہو سکتا۔علامہ ابن تیمیہ سے جب پوچھا گیا کہ کیا کوئی مسلمان کسی عیسائی کے جنازہ کے پیچھے چل سکتا ہے تو انہوں نے جواب دیا نہیں اس کے جنازہ کے پیچھے نہ چلے اور چونکہ عیسائی کفر کی حالت میں مرا اس لئے وہ جہنم کا مستحق ہو گیا۔لہٰذا اس کی نماز نہ پڑھے (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۴ ص ۲۶۵) مگر موجودہ دور میں مصلحت پرست مسلمان مشرکوں کی ارتھیوں کے جلوس میں شریک ہونے، ان کی راکھ کے کلس اٹھانے، ان کی سمادھیوں پر جا کر پھول چڑھانے اور خراج عقیدت پیش کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے اور جن پر سیاسی مصلحتوں کا غلبہ ہوتا ہے جو اللہ کی آیتوں کو بیچنے کا فن خوب جانتے ہیں وہ اس بات سے بھی نہیں چوکتے کہ مشرک لیڈروں کی موت پر ان کے سرہانے قرآن کریم کی تلاوت کریں جب کہ یہ لیڈر زندگی بھر قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کا انکار کرتے رہے۔

اس آیت کی تفسیر میں عام طور سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ آپ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ بخاری میں ہے:۔

’’عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اپنا کرتہ عنایت کیا اور فرمایا کہ اس میں اس کو کفنایا جائے۔ پھر آپ کھڑے ہوگئے تاکہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں لیکن عمر بن خطاب نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا آپ اس کی نماز پڑھیں گے جب کہ وہ منافق ہے اور اللہ نے آپ کو ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روکا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے (دونوں باتوں کا) اختیار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔’’تم ان کے لئے دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کروگے تب بھی اللہ ان کو معاف کرنے والا نہیں، (اس آیت کو پڑھ کر) آپ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دعائے مغفرت کرونگا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے ساتھ ہم نے پڑھی۔ اس کے بعد اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی ولاتصل ------------------------------

’’اور ان میں سے جو مرے اس کی نماز (جنازہ) تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی ان کی قبر پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حال میں مرے کہ وہ فاسق تھے۔‘‘ (بخاری کتاب التفسیر)

یہ حدیث اگرچہ بخاری کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن بعض علماء نے اس حدیث کی صحت سے اور اس کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے:

’’قاضی ابوبکر کہتے ہیں اس حدیث کو قبول کرنا روا نہیں اور نہ یہ بات صحیح ہے کہ یہ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی ’’التقریب‘‘ میں لکھتے ہیں یہ حدیث اخبار آحاد میں سے ہے۔ جس کا ثابت ہونا معلوم نہیں۔ اور امام الحرمین اپنی ’’مختصر‘‘ میں فرماتے ہیں اس حدیث کا شمار صحیح احادیث میں نہیں ہوتا اور ’’برہان‘‘ میں وہ کہتے ہیں اہل حدیث اس کو صحیح نہیں قرار دیتے اور امام غزالی ’’المستصفی‘‘ میں فرماتے ہیں واضح تر بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور اس حدیث کے شارح داؤدی کہتے ہیں کہ یہ غیر محفوظ ہے‘‘۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۲)

اس حدیث کے بارے میں جو اشکالات محسوس ہوتے ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں:۔

(۱) بخاری نے جہاں یہ حدیث بیان کی ہے وہاں ایک دوسری حدیث حضرت جابر سے بھی بیان کی ہے جو اس سے بالکل مختلف ہے:

’’حضرت جابر فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی کے پاس اس کی تدفین کے بعد پہنچے۔ پھر آپ نے اسے نکلوایا اور اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا‘‘ (بخاری کتاب الجنائز)

دونوں حدیثیں بخاری ہی کی ہیں لیکن ایک میں ذکر ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا بیٹا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرمایا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے اس سے فرمایا ’’مجھے اطلاع دینا میں نماز پڑھوں گا پھر اس نے آپ کو (میت کے تیار ہونے کی) اطلاع دی اور جب آپ اس پر نماز پڑھنے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت عمر نے آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ (بخاری کتاب الجنائز)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ تدفین ہو چکی تھی لیکن آپ نے اسکی میت قبر سے نکلوا کر اپنا کرتہ پہنایا۔ ظاہر ہے ان حدیثوں میں کھلا تعارض ہے اور اس تعارض کی دوسری مثال یہ ہے کہ بخاری نے عبداللہ بن عمر کی جو روایت نقل کی ہے اسکے الفاظ ہیں سَازِیْدُہٗ عَلٰی سَبعِین یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دعائے مغفرت کرونگا مگر ابن عباس نے جو روایت نقل کی ہے اس میں آپ کی طرف یہ الفاظ منسوب ہیں لَوْ اَعْلَمُ اَنِّیْ اِنْ زِدْتُ عَلَی السَّبعِین یُغفَرُ لہٗ لَزِدْتُ عَلَیْھَا یعنی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ دعا کرنے سے اسکی مغفرت ہو جائیگی تو میں اس سے بھی زیادہ مرتبہ دعا کرتا۔‘‘ (بخاری کتاب التفسیر سورۂ توبہ)

دونوں باتوں میں معنی کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ پہلی بات غیر مشروط ہے اور دوسری مشروط اور علامہ جصاص کہتے ہیں کہ بعض روایتوں میں لَاُزِیْدَنَّ عَلَی السَّبعِینَ میں ستر پر بھی اضافہ کردوں گا جو الفاظ ہیں وہ راوی کی غلطی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ خبر دے چکا تھا کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے پھر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کافروں کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتے جب کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان کی مغفرت نہیں ہوگی۔ دراصل صحیح روایت وہ ہے جس میں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ لَوْ عَلِمْتُ اَنِّی لَوْ زِدْتُ عَلَی السَّبْعِیْنَ غُفِرَ لَهُمْ لَزِدْتُ عَلَیْهَا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ دعا کرنے سے ان کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس سے بھی زیادہ مرتبہ دعا کرتا'' (احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۱۷۷)

(۲) یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے بیان ہوئی ہے لیکن درمیان کی کڑی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ ہیں یا عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر ہیں۔ اس طرح اس کی حیثیت خبر واحد ہی کی ہے اور خبر واحد حجت ضرور ہے بشرطیکہ وہ قرآن وسنت کی معارض نہ ہو۔

(۳) مسند احمد کی حدیث میں جو ابن عباس سے مروی ہے یہ صراحت ہے کہ ثُمَّ صَلّٰی عَلَیْهِ وَ مَشٰی مَعَهٗ وَ قَامَ عَلٰی قَبْرِهٖ یعنی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور جنازہ کے ساتھ چلے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو گئے جب کہ حضرت جابر والی بخاری کی حدیث بتاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابی کی قبر پر اس کی تدفین کے بعد پہنچے۔ حدیثوں کے اس تضاد کا اعتراف علامہ سندی نے بھی کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: یہ حدیث سابق حدیث کے خلاف ہے کیوں کہ اس میں صراحت کے ساتھ یہ بیان ہوا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ پڑھی اور اس سے پہلے آپ کرتہ عنایت فرما چکے تھے ــــــــــــــــ لیکن یہ حدیث بتلاتی ہے کہ آپ اس کے بعد تشریف لائے اور بعد میں کرتہ پہنایا۔ بعض علماء نے بہ تکلف دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کوشش کی ہے لیکن اس سے اعتراض پوری طرح رفع نہیں ہوتا۔ (سنن نسائی ج ۴ ص ۳۸ حاشیہ الامام السندی)

(۴) ابن جریر طبری حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھنا چاہی تو جبرئیل نے آپ کا دامن پکڑا اور یہ آیت پڑھی ولا تصل ــــــــــــ مگر جیسا کہ ابن کثیر نے صراحت کی ہے اس کا ایک راوی یزید رقاشی ہے جو ضعیف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۷۹)

تاہم قرینہ کی بات یہی ہے کہ جبرئیل نے آپ کو روکا ہوگا اور غالباً دوسرے راویوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ حضرت عمر نے آپ کو روکنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں اور مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں اس ضعیف الاسناد روایت پر اعتماد کیا ہے حالانکہ بخاری مسلم وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ پڑھانے کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ گویا ان کے نزدیک مضمون کے اعتبار سے یہ ضعیف حدیث بخاری کی حدیث کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے۔

(۵) آیت کا سیاق وسباق بتلاتا ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر میں نازل ہوئی تھی کیونکہ اس سے متصلاً قبل کی آیت میں ہے ''اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لوٹا دے'' جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ آیتیں آپ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی نازل ہوگئی تھیں اور عبد اللہ بن اُبی کا انتقال آپ کے مدینہ واپس لوٹنے کے تقریباً دو ماہ بعد یعنی ذی قعدہ ۹ھ میں ہوا۔ اسلئے یہ حدیث آیت کے سیاق وسباق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی بلکہ آیت ۷۳ سے جو مضمون شروع ہوتا ہے وہ اس آیت تک ایک مربوط مضمون ہے اور اس میں منافقین کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی برتنے کی جو ہدایت دی گئی ہے اس کے پیش نظر اس بات کیلئے کیا قرینہ ہے کہ آپ رئیس المنافقین کے ساتھ اس قدر نرمی برتیں گے کہ اس کو اپنا کرتہ عطا فرمائیں گے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟

(۶) عبد اللہ بن اُبی کا بیٹا عبد اللہ مخلص اور صالح مسلمان تھا غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر جب عبد اللہ بن اُبی نے یہ گستاخانہ بات کہی کہ ہم مدینہ لوٹیں گے تو عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا تو اس کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے والد کی گردن اپنے ہاتھ سے اڑانے کے لئے اجازت طلب کی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۳۳۷)

کیا ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے منافق والد کے لئے کرتہ طلب کرے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کرے گا؟

ان اشکالات کے پیش نظر واقعہ کی وہ صورت جو مذکورہ احادیث میں پیش کی گئی ہے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ واقعہ کیا تھا اور بیان کس طرح ہوا۔

۱۵۵۔ اس کی تشریح نوٹ ۱۰۳۔ میں گزر چکی۔

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُوا۟ مَعَ رَسُولِهِ
ٱسْتَـْٔذَنَكَ أُو۟لُوا۟ ٱلطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا۟ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَٰعِدِينَ ﴿٨٦﴾

۸۶ اور جب کوئی سورہ (اس حکم کو لے کر) اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو جو لوگ ان میں مقدور والے ہیں وہی تم سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہیں۔ ۱۵۶؎

رَضُوا۟ بِأَن يَكُونُوا۟ مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾

۸۷ انہوں نے پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھ رہنا پسند کیا ۱۵۷؎ اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی اس لئے وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ۱۵۸؎

لَٰكِنِ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ جَٰهَدُوا۟
بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلْخَيْرَٰتُ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ
هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾

۸۸ لیکن رسول نے اور ان لوگوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنے مال و جان سے جہاد کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ
فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾

۸۹ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے سب سے بڑی کامیابی۔

وَجَآءَ ٱلْمُعَذِّرُونَ مِنَ ٱلْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ ٱلَّذِينَ
كَذَبُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ ۚ سَيُصِيبُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾

۹۰ بدّوؤں میں سے بھی عذر کرنے والے آئے تا کہ انہیں بھی اجازت دی جائے ۱۵۹؎ اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے ۱۶۰؎۔ ان (بدّوؤں) میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ عنقریب دردناک سزا سے دوچار ہوں گے۔ ۱۶۱؎

لَّيْسَ عَلَى ٱلضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى ٱلْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ
لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا۟ لِلَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۚ
مَا عَلَى ٱلْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾

۹۱ کمزوروں، بیماروں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جنہیں خرچ کے لئے کچھ میسر نہیں جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کریں ۱۶۲؎۔ ایسے نیکوکاروں پر کوئی الزام نہیں۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَلَا عَلَى ٱلَّذِينَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ
مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا۟ وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ ٱلدَّمْعِ
حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا۟ مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾

۹۲ اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے جو تمہارے پاس آئے کہ تم ان کے لئے سواری کا انتظام کر دو اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا تو اس حال میں واپس ہوئے کہ خرچ کی مقدرت نہ رکھنے کے غم میں ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ۱۶۳؎

إِنَّمَا ٱلسَّبِيلُ عَلَى ٱلَّذِينَ يَسْتَـْٔذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَآءُ ۚ
رَضُوا۟ بِأَن يَكُونُوا۟ مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطَبَعَ ٱللَّهُ عَلَىٰ
قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

۹۳ الزام تو دراصل ان لوگوں پر ہے جو غنی ہونے کے باوجود تم سے رخصت طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہنا پسند کیا، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اس لئے وہ کچھ نہیں جانتے۔

۱۵۶۔ اشارہ ہے ان منافقین کی طرف جو مقدرت کے باوجود جہاد کے لئے نہیں نکلے اور عذر تراش کر کے رخصت مانگنے لگے۔

۱۵۷۔ یعنی انہوں نے عورتوں کی طرح گھروں میں رہنا پسند کیا۔

۱۵۸۔ اس بے حوصلگی اور اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اخلاقی حس مُردہ ہوگئی اور وہ بے غیرت ہو کر رہ گئے۔ اس کیفیت کو دلوں پر مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ کیفیت اس قانون فطرت کے عمل میں آنے کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اخلاقی نفسیات کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔

۱۵۹۔ بدّو یعنی دیہاتی عرب۔ یہ ان دیہاتی منافقوں کا ذکر ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کے لئے جھوٹے عذرات پیش کئے تھے۔

۱۶۰۔ یعنی ان بدّوؤں میں کچھ منافق تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس اہم موقع پر رسول کی خدمت میں حاضر ہونے کی زحمت ہی نہیں کی۔

۱۶۱۔ ان منافقین کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس آیت کو نازل ہوئے ابھی دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ان منافقین نے کھلے بندوں ارتداد کی راہ اختیار کی اور خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فتنۂ ارتداد کا تلوار سے مقابلہ کیا۔

۱۶۲۔ یعنی جن لوگوں کا عذر حقیقی ہے۔ ان پر نہ کوئی اعتراض ہے نہ گناہ مثلاً بوڑھے، بیمار، جسمانی لحاظ سے معذور اور نادار لوگ بشرطیکہ ان کا تعلق اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا ہو اور پیچھے رہ کر کوئی ایسا کام نہ کریں جو اس کے منافی ہو۔

۱۶۳۔ یعنی سچے اہل ایمان کے جذبات اس طرح ہوتے ہیں کہ جو لوگ سواری کا انتظام خود نہیں کر سکتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے لیکن جب آپ ان کے لئے قلت وسائل کی بنا پر انتظام نہ کر سکے تو اس احساس کے تحت کہ وہ جہاد کی سعادت سے محروم رہیں گے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

رسول کا یہ قول کہ ''میں تمہارے لئے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا'' رسول کی بے بسی کو ظاہر کرتا ہے مگر اس قسم کے واضح دلائل کے باوجود مسلمانوں کا جاہل طبقہ رسول کو خدا کا درجہ دینے لگتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ رسول کے پاس خزانے ہیں اور اگرچہ آپ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن آپ کو مدد کے لئے پکارنا بالکل جائز ہے یہ عقیدہ توحید کے سراسر منافی ہے اور رسول کا یہ قول جو آیت میں بیان ہوا ہے اس عقیدہ کی تردید کے لئے کافی ہے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا
تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَ
سَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾

٩٤ جب تم ان کی طرف واپس جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عذرات پیش کریں گے ١٦٤؎۔ تم ان سے کہو کہ عذرات نہ تراشو۔ ہم تمہاری باتوں کا اعتبار کرنے والے نہیں۔ اللہ نے تمہارے حالات سے ہمیں باخبر کردیا ہے ١٦٥؎۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا ١٦٦؎ پھر تم لوٹائے جاؤ گے اسکی طرف جو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے وہ تمہیں بتادیگا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ
فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا
كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

٩٥ جب تم ان کی طرف لوٹو گے تو وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے صرفِ نظر کرو تو تم ان سے صرفِ نظر ہی کرو ١٦٧؎۔ وہ ناپاک ہیں ١٦٨؎، اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، بدلہ میں اس چیز کے جو وہ کماتے رہے ہیں۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ
لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾

٩٦ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم راضی ہوجاؤ۔ لیکن اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے کبھی راضی ہونے والا نہیں۔

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا
حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾

٩٧ بدّو لوگ ١٦٩؎، کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں ١٧٠؎۔ اور ان سے یہ بعید نہیں کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اس کے حدود سے وہ ناواقف رہیں ١٧١؎۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ ١٧٢؎

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ
مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ
دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾

٩٨ ان بدوؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (اللہ کی راہ میں) انفاق کو اپنے اوپر تاوان سمجھتے ہیں ١٧٣؎ اور اس بات کے منتظر ہیں کہ تم کسی نہ کسی گردش میں آجاؤ ١٧٤؎۔ (اور واقعہ یہ ہے کہ) بری گردش میں وہ خود ہی آگئے ہیں۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ
مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا
قُرْبَةٌ لَهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾

٩٩ اور بدوؤں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں ١٧٥؎ اور انفاق (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے) کو اللہ کے حضور تقرب اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ١٧٦؎ سنو وہ ضرور ان کے لئے قربت کا ذریعہ ہے ١٧٧؎۔ اللہ عنقریب ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ
اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ
جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾

١٠٠ مہاجرین ١٧٨؎ اور انصار ١٧٩؎ میں سے جن لوگوں نے سب سے پہلے سبقت کی ١٨٠؎، نیز وہ جنہوں نے حسن و خوبی کے ساتھ ان کی اتباع کی ١٨١؎، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے ١٨٢؎، ان کے لئے اس نے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔

۱۶۴۔ یعنی جب تم غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ پہنچو گے تو یہ منافق جو جہاد کیلئے تمہارے ساتھ نہیں نکلے تمہارے پاس آ کر جھوٹے عذرات پیش کریں گے۔

۱۶۵۔ اشارہ ہے سورۂ توبہ کی ان آیات کی طرف جن میں منافقین کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

۱۶۶۔ یعنی یہ دیکھے گا کہ آئندہ تمہارا طرز عمل کیا رہتا ہے۔اصلاح قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہو یا پچھلی روش پر قائم رہتے ہو۔ واضح رہے کہ اس وقت اللہ کا رسول ان کے درمیان موجود تھا اس لئے یہ جو فرمایا کہ رسول تمہارے طرز عمل کو دیکھے گا تو اس کا مفہوم اپنی جگہ بالکل واضح ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ آیت ۱۰۵ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تمہارے عمل کو دیکھے گا اور اس کا رسول اور مؤمنین بھی۔

لیکن غلو پسند طبیعتیں یہ نکتہ پیدا کرتی ہیں کہ حضور ہمارے ظاہر و باطن اعمال دیکھ رہے ہیں جب کہ آپ دنیا سے رخصت ہو چکے۔اس قسم کے نکتے پیدا کر کے شرک و بدعت کیلئے راہیں ضرور نکالی جاسکتی ہیں۔اس طرح کی نکتہ آفرینیاں یہود و نصاریٰ بھی کتاب الٰہی میں کرتے رہے ہیں۔نعوذ باللہ من ذلک۔

۱۶۷۔ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور جب وہ اپنی اصلاح کے لئے آمادہ نہیں ہیں تو مناسب یہی ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

۱۶۸۔ ناپاکی سے مراد کفر اور نفاق کی ناپاکی ہے جس نے ان کے قلب و ذہن اور ان کے باطن کو نجس بنا کر رکھ دیا ہے اس لئے نہ پاکیزہ خیالات کا ان کے دل و دماغ میں گذر ہوتا ہے اور نہ پاکیزہ جذبات ان کے اندر پرورش پاتے ہیں۔

۱۶۹۔ اعراب (بدو) یعنی عرب کے دیہاتی لوگ۔

۱۷۰۔ دیہات کا ماحول سماجی لحاظ سے شہر سے مختلف ہوتا ہے اس لئے وہاں دیہاتی لوگ سخت مزاج ہوتے ہیں اور مزاج کی یہ سختی کفر و نفاق (منافقت) میں بھی سختی پیدا کر دیتی ہے۔

۱۷۱۔ ان کو نہ علم کا شوق ہوتا ہے اور نہ تربیت سے دلچسپی اس لئے شرعی احکام سے ان کے نابلد رہنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

۱۷۲۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کو ان کے دلوں کا حال معلوم ہے اس لئے وہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جس کے لئے اس کی حکمت مقتضی ہوگی۔

۱۷۳۔ یعنی وہ زکوٰۃ کو جبری ٹیکس اور جہاد کے لئے تعاون کو جرمانہ تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ انفاق عبادت ہے جو خوش دلی کے ساتھ کرنا چاہیئے۔

۱۷۴۔ یہ بدو اسلام میں محض مصلحتاً داخل ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ اسلام اس سرزمین پر غالب ہوتا جا رہا ہے اس لئے خیریت اسی میں ہے کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ ان کو اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ مسلمانوں کے بدخواہ تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان کسی چکر میں پھنس جائیں تاکہ ان کو اسلام کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار پھینکنے کا موقع ملے۔

۱۷۵۔ یعنی تمام بدوؤں کا حال یکساں نہیں ہے ان میں جہاں منافق ہیں وہاں مخلص مؤمن بھی ہیں۔

اس سے ضمناً اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ ماحول ہی انسان کو اچھا یا بُرا بناتا ہے۔اگر ایسا ہوتا تو سنگدل بدوؤں میں نرم دل لوگ پیدا نہ ہوتے۔انسان کا معاملہ اینٹ پتھر کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ بننے اور بگڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس معاملہ میں فیصلہ کن قوت (Decisive Force) اس کا اپنا نفس ہے۔ماحول سے آدمی متاثر ضرور ہوتا ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ ماحول ہی آدمی کو اچھا یا بُرا بناتا ہے اگر یہ بات صحیح ہوتی تو بُرے ماحول میں اچھے لوگ پیدا نہ ہوتے اور نہ اچھے ماحول میں برے لوگ جنم لیتے۔

۱۷۶۔ اہل ایمان میں سے جب کوئی شخص راہ خدا میں مالی تعاون پیش کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول کرتے اور اس کے حق میں دعائے رحمت فرماتے۔

رسول کی دعا کی قدر و قیمت اہل ایمان بخوبی جانتے تھے اس لئے انفاق کر کے رسول کی دعائیں لینے کی تمنا ان کے دلوں میں کروٹیں لیتی رہتی تھی۔

۱۷۷۔ اس سے انفاق کی اہمیت اور فضیلت واضح ہوتی ہے کہ ایک مؤمن اللہ کی راہ میں جتنا خرچ کرے گا اتنا ہی وہ اللہ سے قریب ہوگا۔

۱۷۸۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ انفال نوٹ ۱۰۶۔

۱۷۹۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ انفال نوٹ ۱۰۸۔

۱۸۰۔ یعنی جنہوں نے دعوت حق قبول کرنے اور ایمان لانے میں پہل کی اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ لوگ اس دعوت کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ اور ایمان لانے کے بعد وہ اسلام کے مطالبات کو پورا کرنے اور کٹھن وقت میں اس کے لئے قربانیاں پیش کرنے میں آگے آگے رہے۔ انہوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اور اپنا مال راہِ حق میں لٹا کر اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور اس کے رسول کی نصرت وحمایت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہی لوگ اس چمن کے گل سرسبد ہیں اور ان ہی سے اسلام کی صفِ اوّل آراستہ ہوئی ہے۔

سابقون اوّلون کا تعلق جنگ بدر سے پہلے کے دور سے ہے کیونکہ یہی دور زیادہ ابتلاء کا تھا۔ اور جنگ بدر نے تو اسلام کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا اس لئے اس کے بعد اسلام کی طرف مائل ہونے میں وہ رکاوٹیں نہیں تھیں جو اس سے پہلے کے دور میں تھیں۔

۱۸۱۔ مراد وہ لوگ ہیں جو سابقون اوّلون کے نمونہ کو دیکھنے کے بعد اس قافلہ میں شامل ہوگئے اور اس راہ پر جو انہوں نے اختیار کی تھی بحسن وخوبی چلتے رہے۔ پہلا گروہ جلیل القدر صحابہ کا ہے اور دوسرے گروہ میں دوسرے صحابہ بھی شامل ہیں اور وہ تمام لوگ بھی جو حسن وخوبی کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے خواہ وہ کسی زمانہ میں اور کسی ملک میں پیدا ہوئے ہوں، کیونکہ سب ایک ہی راہ کے راہی اور ایک ہی امت کے افراد ہیں۔

۱۸۲۔ جس گروہ کی شان یہ ہو کہ اللہ نے اس سے راضی ہونے کا اعلان اپنی کتاب میں فرما دیا ہو ایک مسلمان کے دل میں لازماً اس کی قدر و منزلت ہوگی نیز اس کے نقش قدم پر چلنے کا وہ بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرے گا۔

مگر اس واضح ارشاد کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ چند شخصیتوں کو مستثنیٰ کر کے صحابہ کے پورے گروہ کو اور خاص طور سے سابقون اولون کو ملامت کا نشانہ بناتا ہے اور تبرا بازی کو اس نے اپنا شعار بنا رکھا ہے گویا جہاں سے ان کو ہدایت پانا چاہیئے تھی وہیں سے انہوں نے گمراہی اختیار کر لی اگر وہ غلو اور شخصیت پرستی میں مبتلا نہ ہوتے تو اس آیت کو پڑھ کر ان کی آنکھیں کھل جاتیں۔

کچھ اور لوگ ہیں جن کو اللہ کے فیصلے کے انتظار میں رکھا گیا ہے۔ یا تو انہیں سزا دے یا ان پر مہربان ہو جائے۔ اللہ علیم وحکیم ہے۔ اور (کچھ لوگ ایسے بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کا تھا۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔ تم اس میں ہرگز کھڑے نہ ہونا۔ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہی اس بات کی حقدار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ (القرآن)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

۱۰۱ اور تمہارے اردگرد جو بدّو رہتے ہیں ان میں منافق ہیں، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں، جو نفاق میں مشاق ہو گئے ہیں ۱۸۳۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں ۱۸۴۔ انہیں ہم دو مرتبہ سزا دیں گے ۱۸۵۔ پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ۱۸۶۔

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٢﴾

۱۰۲ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے کام کئے ہیں اچھے بھی اور بُرے بھی ۱۸۷۔ عجب نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ اللہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾

۱۰۳ (اے نبی!) تم ان کے مال سے صدقہ لے لو ۱۸۸۔ کہ اس کے ذریعے تم انہیں پاک کرو گے۔ اور ان کا تزکیہ کرو گے ۱۸۹۔ اور ان کے حق میں تم دعائے رحمت کرو۔ یقیناً تمہاری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾

۱۰۴ کیا انہیں معلوم نہیں کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو قبولیت بخشتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۵ کہو تم عمل کرو اللہ تمہارے عمل کو دیکھے گا نیز اس کا رسول اور مومنین بھی دیکھیں گے ۱۹۰۔ اور تم عنقریب اسکے حضور پیش کئے جاؤ گے جو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے پھر وہ تمہیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾

۱۰۶ کچھ اور لوگ ہیں جن کو اللہ کے فیصلے کے انتظار میں رکھا گیا ہے۔ ۱۹۱۔ یا تو انہیں سزا دے یا ان پر مہربان ہو جائے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾

۱۰۷ اور (کچھ لوگ ایسے بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں ۱۹۲۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کا تھا۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

۱۰۸ تم اس میں ہرگز کھڑے نہ ہونا ۱۹۳۔ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہی اس بات کی حقدار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ ۱۹۴۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں ۱۹۵۔ اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔

۱۸۳۔ یعنی وہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں مگر دل سے وہ منافق ہیں اور اپنے اس نفاق کو چھپانے کے لئے ایسی لفاظی کرتے ہیں کہ کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا۔

۱۸۴۔ دلوں کا حال پیغمبر بھی نہیں جانتا اللہ ہی جانتا ہے۔

۱۸۵۔ ایک سزا دنیا میں اور دوسری سزا قبر (عالم برزخ) میں۔ دنیا میں ان منافقین کو سزا جیسا کہ نوٹ ۱۰۳ ۔ میں واضح کیا جا چکا ہے مسلمانوں کے ہاتھوں ملی۔

۱۸۶۔ مراد آخرت کا عذاب ہے۔

۱۸۷۔ سورہ براءۃ آخری دور کی تنزیل ہے اور اس وقت ایمان و عمل کے اعتبار سے مسلم معاشرہ میں مختلف درجہ کے لوگ پائے جاتے تھے۔ اسلئے اس سورہ میں ہر گروہ کا الگ الگ جائزہ لیا گیا ہے تاکہ قرآن کا مطلوب مؤمن کون ہے اس دور کے مسلمانوں پر بھی واضح ہو جائے اور آنے والی نسلوں پر بھی۔ اس آیت میں مسلمانوں کے جس گروہ کا ذکر ہوا ہے اس سے ایک قصور تو یہ سرزد ہوا تھا کہ یہ لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے لیکن اس کے علاوہ جیسا کہ قرآن کے بیان سے واضح ہوتا ہے ان کی زندگیاں نیکی اور بدی کا مجموعہ تھیں مگر انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا تھا اس لئے انہیں قبولیت توبہ کی امید دلائی گئی۔

۱۸۸۔ یعنی جو صدقہ یہ پیش کریں اس کو قبول کر لو۔ نبی ﷺ جو صدقہ یا زکوٰۃ قبول فرماتے اس کو ان مصارف پر خرچ کرتے جو صدقات کیلئے متعین ہیں۔

۱۸۹۔ واضح ہوا کہ صدقہ۔ خواہ وہ زکوٰۃ ہو یا خیرات گناہوں اور برائیوں سے پاکیزگی اور نیکیوں اور خوبیوں سے آراستگی کا ذریعہ ہے۔ اس سے ذہنی بیماریاں اور قلبی امراض بھی دور ہوتے ہیں اور اچھے جذبات بھی پرورش پانے لگتے ہیں اس سے باطن سنورتا ہے اور انسان نیک صفت بن جاتا ہے۔

۱۹۰۔ یعنی آئندہ تمہارا طرز عمل کیا رہتا ہے اس پر مؤمنین کی بھی نگاہ رہے گی تاکہ وہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں جس کا تم اپنے کو مستحق ثابت کر دکھاؤ گے۔

۱۹۱۔ یعنی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ التواء میں ہے یہ تین اشخاص تھے جنہوں نے محض غفلت کی وجہ سے غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی، ان کا معاملہ توقف میں رکھا گیا اور بعد میں ان کی توبہ قبول کر لی گئی جس کا ذکر آگے آیت ۱۱۸ میں ہوا ہے۔

۱۹۲۔ یہ مسجد جو مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی مدینہ میں مسجد قُبا کے قریب منافقین کے ایک گروہ نے بنائی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کے سفر پر روانہ ہو رہے تھے تو کچھ منافقین نے آپ سے درخواست کی تھی کہ وہاں تشریف لائیں اور اس مسجد میں ایک مرتبہ نماز پڑھیں، اس کی تعمیر کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی کہ بارش کی راتوں اور خاص طور سے معذوروں کے لئے سہولت ہو۔ آپ نے فرمایا ابھی سفر درپیش ہے۔ بعد میں جب تبوک سے واپسی ہوئی اور آپ مدینہ کے قریب ہی ذی اوان کے مقام پر پہنچے تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش سے باخبر کر دیا۔ آپ نے اسی وقت اپنے چند ساتھیوں کو آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ آپ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس مسجد کو ڈھا دیں۔ چنانچہ ان حضرات نے اس حکم کی تعمیل میں بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور اس مسجد کو فوراً نذر آتش کر دیا تاکہ فتنہ کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ (یہ قصہ سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۱۸۵ میں بیان ہوا ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ان فاسد اغراض کو بے نقاب کیا ہے جس کے لئے انہوں نے یہ مسجد تعمیر کی تھی۔ ان کی پہلی غرض یہ تھی کہ اس سے دین کو نقصان پہنچایا جائے۔ مسجدیں تو اس لئے بنائی جاتی ہیں کہ دین پھلے پھولے اور اسلام کا یہ شعار اس کے استحکام کا ذریعہ بنے۔ لیکن انہوں نے اسلام کی بیخ کنی کرنے کی غرض سے مسجد تعمیر کی تھی۔ ایک ایسی مسجد کو جس کی بنیاد ہی باطل اغراض پر رکھی گئی ہو تقدس کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ ان کی دوسری غرض یہ تھی کہ یہ حقیقۃً عبادت گاہ نہیں بلکہ کفر کا مرکز بنے۔ تیسری غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کیا جائے اور وہ اس طرح کہ ان کو ان کے اصل مرکز اجتماع سے الگ کرنے کی کوشش کی جائے اور چوتھی غرض یہ کہ دشمنان اسلام کیلئے یہ آماجگاہ بن جائے تاکہ وہ اسلام کے خلاف یہاں سے ریشہ دوانیاں کر سکیں۔ روایات میں آتا ہے کہ قبیلہ خزرج کا ایک شخص ابو عامر جو نصرانی ہو گیا تھا اسلام اور نبی ﷺ کا کٹر دشمن تھا۔ جنگ احد میں اس نے مشرکین کا ساتھ دیا اور غزوۂ حنین کے بعد جب اس نے محسوس کیا کہ اسلام کی طاقت کو دبانے میں عرب ناکام رہے ہیں تو روم چلا گیا اور وہاں سے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے قیصر روم کو مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے اکسایا۔ اسی کے اشارہ پر منافقین نے مسجد ضرار بنائی تھی لیکن وحی الٰہی نے اس گھناؤنی سازش کو بے نقاب کیا اور نبی ﷺ نے بروقت اقدام کر کے اس کو ناکام بنا دیا۔

۱۹۳۔ یعنی اس مسجد میں نہ صرف یہ کہ نماز نہ پڑھو بلکہ سرے سے قدم ہی نہ رکھو۔

۱۹۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو کچھ دنوں تک آپ کا قیام قُباء کے علاقہ میں رہا وہاں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو مسجد قُباء کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ مدینہ کی پہلی مسجد تھی۔ دوسری مسجد آپ نے اندرونِ شہر تعمیر فرمائی جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں۔ ان دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ (خدا خوفی اور پرہیزگاری) پر رکھی گئی تھی اس لئے آیت کا مصداق دونوں ہی مسجدیں ہوسکتی ہیں اور صحابہ کے اقوال بھی دونوں کی تائید میں موجود ہیں لیکن چونکہ مسجد نبوی میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اسی میں کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے کا رہا ہے نیز منافقین کا اصل نشانہ بھی اسی مسجد کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ اس لئے آیت کا اولین مصداق مسجد نبوی ہی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ "دو اشخاص کے درمیان اس مسجد کے بارے میں جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اختلاف ہوا۔ ایک نے کہا وہ مسجد قباء ہے اور دوسرے نے کہا وہ مسجدِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میری یہ مسجد ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں بالکل صحیح فرمایا ہے کہ جب احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی ہی مراد لی ہے تو حدیث رسول کے مقابلہ میں کسی کے قول کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتح القدیر۔ شوکانی ج ۲ ص ۴۰۶)

۱۹۵۔ مراد ظاہری پاکیزگی بھی ہے اور باطنی پاکیزگی بھی۔ شریعت نے دونوں کے احکام دیئے ہیں اور ان مخلص مؤمنین کا وصف یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے قلب و ذہن کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور ساتھ ہی جسمانی پاکیزگی کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے مسجدِ ضرار کی بنیاد رکھنے والوں کا باطن کفر و نفاق کی نجاست سے آلودہ تھا۔ انہیں نہ قلب کی پاکیزگی کا احساس تھا اور نہ جسمانی پاکیزگی کا خیال۔

مسجد قباء

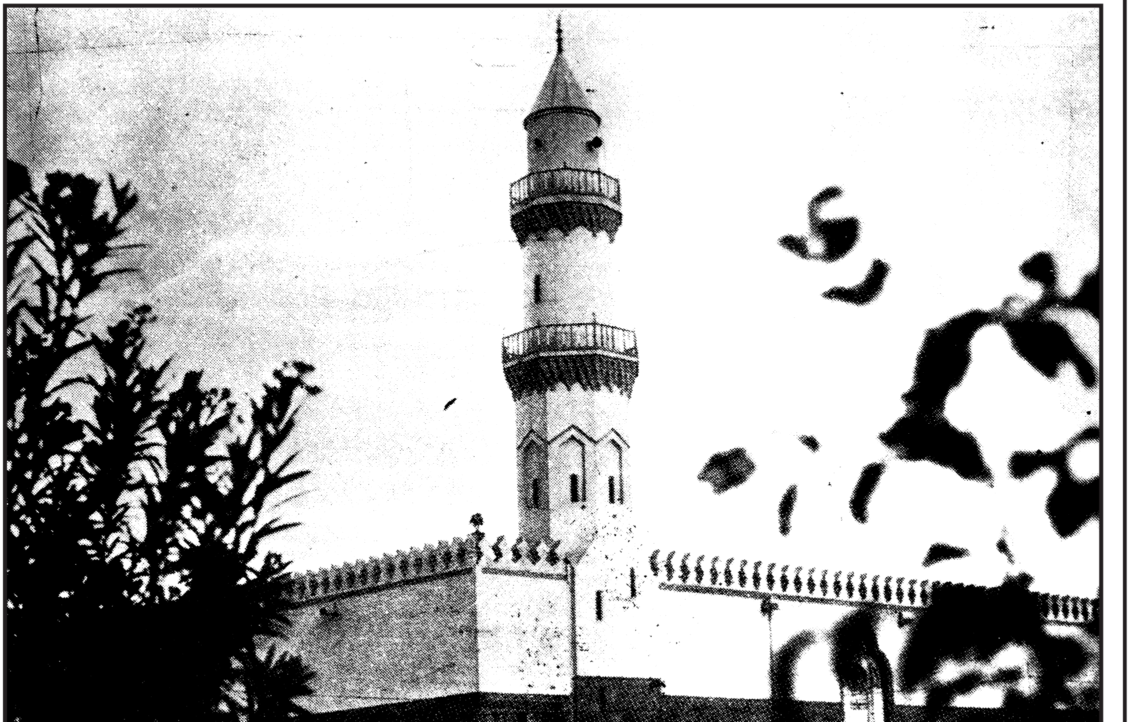

مسجد نبوی

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُۥ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَٰنَهُۥ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَٱنْهَارَ بِهِۦ فِى نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٩﴾

۱۰۹ کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور اس کی خوشنودی پر رکھی یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کھوکھلی گرتی ہوئی گگر کے کنارہ پر رکھی اور پھر وہ اس کو لے کر آتش جہنم میں جا گری؟ ۱۹۶؎ اللہ ایسے ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔ ۱۹۷؎

لَا يَزَالُ بُنْيَٰنُهُمُ ٱلَّذِى بَنَوْا۟ رِيبَةً فِى قُلُوبِهِمْ إِلَّآ أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

۱۱۰ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں خلجان کا باعث بنی رہے گی الّا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ ۱۹۸؎ اور اللہ نہایت علم والا حکمت والا ہے۔

۞ إِنَّ ٱللَّهَ ٱشْتَرَىٰ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلْجَنَّةَ ۚ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ وَٱلْقُرْءَانِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِۦ مِنَ ٱللَّهِ ۚ فَٱسْتَبْشِرُوا۟ بِبَيْعِكُمُ ٱلَّذِى بَايَعْتُم بِهِۦ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

۱۱۱ درحقیقت اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں ۱۹۹؎۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مارتے اور مرتے ہیں ۲۰۰؎۔ یہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے تورات ۲۰۱؎، انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا؟ تو خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ یہی ہے سب سے بڑی کامیابی۔

ٱلتَّٰٓئِبُونَ ٱلْعَٰبِدُونَ ٱلْحَٰمِدُونَ ٱلسَّٰٓئِحُونَ ٱلرَّٰكِعُونَ ٱلسَّٰجِدُونَ ٱلْءَامِرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱلنَّاهُونَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱلْحَٰفِظُونَ لِحُدُودِ ٱللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

۱۱۲ توبہ کرنے والے ۲۰۲؎، عبادت کرنے والے ۲۰۳؎، حمد کرنے والے، ۲۰۴؎ (اس کی راہ میں) سیاحت کرنے والے ۲۰۵؎، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے ۲۰۶؎، بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ۲۰۷؎ اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے۔ ۲۰۸؎ اور (تو اے پیغمبر!) ان مؤمنوں کو خوشخبری دیدو۔

مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن يَسْتَغْفِرُوا۟ لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا۟ أُو۟لِى قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾

۱۱۳ نبی کو اور اہل ایمان کو زیبا نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ واضح ہو چکا کہ وہ جہنم والے ہیں۔ ۲۰۹؎

وَمَا كَانَ ٱسْتِغْفَارُ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَآ إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُۥٓ أَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَأَوَّٰهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾

۱۱۴ اور ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لئے جو مغفرت کی دعا کی تھی وہ تو اس وعدہ کی وجہ سے تھی جو اس نے اس سے کیا تھا، لیکن جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گیا ۲۱۰؎۔ درحقیقت ابراہیم بڑا ہی دردمند اور بردبار تھا۔ ۲۱۱؎

وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ إِذْ هَدَىٰهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

۱۱۵ اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کرے جب تک کہ اس پر وہ باتیں واضح نہ کردے جن سے اسے بچنا چاہئے۔ ۲۱۲؎ بلاشبہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

إِنَّ ٱللَّهَ لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾

۱۱۶ یقیناً اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت۔ وہی جِلاتا اور مارتا ہے۔ اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ ۲۱۳؎

۱۹۶۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنی زندگی کی تعمیر تقویٰ اور رضائے الٰہی کے بجائے خدا سے بے خوفی اور بے نیازی کی بنیاد پر کرتے ہیں جس کا نتیجہ مکمل تباہی کی شکل میں نکلتا ہے اگر وہ اس نتیجہ کو سامنے رکھیں تو انہیں احساس ہو کہ وہ تعمیر کا نہیں بلکہ تخریب کا کام کر رہے ہیں۔

۱۹۷۔ یعنی انہیں بامراد نہیں کرتا اور کامیابی کی منزل پر نہیں پہنچاتا۔

۱۹۸۔ یعنی ایک گھناؤنی سازش کو مسجد کا روپ دے کر انہوں نے نفاق کو اپنے دلوں میں ایسا جما دیا ہے کہ وہ اب مرتے دم تک اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔

۱۹۹۔ یہاں اس معاہدہ کو جو اہل ایمان اللہ پر ایمان لا کر اس کے ساتھ کرتے ہیں خرید و فروخت کے معاہدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جان و مال اللہ ہی کے بخشے ہوئے ہیں اور حقیقۃً وہی ان کا مالک ہے لیکن اس آزمائشی زندگی میں اہل ایمان اللہ کی راہ میں جان و مال کی جو قربانیاں پیش کرتے ہیں اس کی قدر اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے کہ گویا وہ ایک سودا ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان طے پایا ہے۔ بندہ نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے اور اللہ اس کی جو قیمت چکانے والا ہے وہ جنت ہے۔

۲۰۰۔ یعنی وہ اللہ کی راہ میں لڑنے سے جی نہیں چراتے بلکہ جرأت کے ساتھ لڑتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں کو مارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کر لیتے ہیں۔

۲۰۱۔ مراد اصل تورات اور انجیل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا اگر موجودہ تورات اور انجیل میں یہ مضمون اس طور سے نہیں ملتا تو اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ اصل تورات اور انجیل میں یہ مضمون نہیں تھا کیونکہ موجودہ تورات اور انجیل تحریف شدہ ہیں اور ان میں اصل کتاب کے چند اجزاء ہی پائے جاتے ہیں تاہم قرآن کے بیان سے ملتی جلتی باتیں موجودہ تورات اور انجیل میں بھی موجود ہیں مثلاً

> ''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔'' (استثناء ۶: ۴، ۵)
>
> ''مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب سے ستائے گئے ہیں کیوں کہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔'' (متی ۵: ۱۰)
>
> '' جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئیگا اور جو کوئی میری خاطر اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔ (متی ۱۰: ۳۹)

۲۰۲۔ اس آیت میں سچے مؤمنین کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور ان کا پہلا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ توبہ کرتے رہتے ہیں۔ یعنی جب بھی ان سے کوئی لغزش یا گناہ سرزد ہوتا ہے تو وہ اس پر نادم ہو کر اللہ کی طرف پلٹتے ہیں اور اس سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ توبہ کی تشریح سورۂ نساء نوٹ ۴۵ اور ۴۶ میں گزر چکی۔

۲۰۳۔ وہ خدائے واحد کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں وہ اللہ کی پرستش ایک بوجھل رسم سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ دل کی گہرائی اور جذبات کی وابستگی کے ساتھ کرتے ہیں۔

۲۰۴۔ یعنی وہ اللہ ہی کے گن گاتے ہیں اور اس کی تعریف میں ان کی زبان تر رہتی ہے۔

۲۰۵۔ یعنی وہ دین کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے اپنے گھر اور وطن سے چمٹے نہیں رہتے بلکہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سفر کی مشقتوں کو برداشت کرتے ہیں اور زمین میں گردش کرتے رہتے ہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ ہجرت، حج، وعمرہ، دعوت وتبلیغ علم دین کی طلب، آیات الٰہی کا مشاہدہ، دین کی خدمت واشاعت اور اس کے لئے اجتماعی جدوجہد وغیرہ مقاصد کے لئے سفر کرنا۔

۲۰۶۔ رکوع کرنے والے یعنی اللہ کے آگے جھکنے والے سجدہ کرنے والے یعنی اللہ کے لئے اپنا ماتھا زمین پر ٹیک دینے والے۔ رکوع کی شکل یہ ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر اس طرح جھکا جائے کہ پیٹھ سیدھی رہے۔ اور سجدہ کا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی زمین پر رکھدی جائے اور ساتھ ہی ناک، ہتھیلیاں، گھٹنے، اور پاؤں کی انگلیاں بھی زمین پر رکھ دی جائیں۔ رکوع اور سجدہ نماز کے اہم ارکان ہیں اور ان کے ذکر سے مقصود نماز ہے۔

۲۰۷۔ وہ صرف اپنی اصلاح نہیں کرتے بلکہ بندگان خدا کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورہ آل عمران نوٹ ۱۳۷۔

۲۰۸۔ ''حدود اللہ'' شرعی احکام وقوانین کی قرآنی تعبیر ہے اور ان کی حفاظت سے مراد ان کی پابندی کرنا ہے نیز اس کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ غیر شرعی احکام وقوانین کی تائید کرنے یا ان کو نافذ کرنے سے آدمی بچے۔

یہ اوصاف جو یہاں بیان کئے گئے ہیں مؤمنانہ کردار کو منافقانہ کردار سے ممیز کرتے ہیں۔

۲۰۹۔ مشرک اس بات کا منکر ہوتا ہے کہ ایک اللہ کا وفادار بندہ بنکر رہے۔ اس بنا پر وہ اللہ کا باغی اور اس کا دشمن ہوتا ہے۔ پھر جو شخص مرتے دم تک مشرک رہا اس نے اپنے عمل سے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ اور شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ وہ ایک ناقابل معافی جرم ہے اور ایسے مجرمین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کیلئے یہ بات کس طرح روا ہو سکتی ہے کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں خواہ وہ ان کے اعزاء واقرباء ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ سے دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے دشمن کو اہل ایمان اپنا دشمن سمجھیں۔

واضح رہے کہ دعائے مغفرت کی ممانعت جس طرح مشرکوں کے لئے ہے اسی طرح کافروں اور ملحدوں کے لئے بھی ہے کیونکہ سب کا مشترک جرم کفر ہے جو ناقابل معافی ہے۔

رہا کسی پر اس کے مشرک ہونے کا حکم لگانا تو یہ حکم اس کے ظاہری عقیدہ وعمل کی بنا پر لگایا جائے گا جس طرح کسی کے ظاہری اسلام کو دیکھ کر اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے ورنہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فی الواقع کس کا خاتمہ شرک اور کفر پر ہوا اور کس کا ایمان واسلام پر اور کون جہنمی ہے اور کون جنتی۔

۲۱۰۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے رخصت ہوتے وقت اس کے لئے معافی کی دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا جس کا ذکر قرآن میں دوسرے مقامات پر ہوا ہے۔

سورۂ مریم میں ہے:

سَلَامٌ عَلَیۡکَ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَکَ رَبِّیۡ اِنَّهٗ کَانَ بِیۡ حَفِیًّا۔ (مریم۔ ۴۷)

''سلام ہو آپ پر، میں آپ کے لئے اپنے رب سے معافی کے لئے دعا کروں گا وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔''

اس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ پھر مسلمان اپنے مشرک قرابتداروں کے لئے دعائے مغفرت کیوں نہ کریں۔ اس شبہہ کا یہاں ازالہ کر دیا گیا کہ ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنا اس وعدہ کی بنا پر تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے دعا کرنا ترک کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اپنے وعدہ کے مطابق اس وقت تک دعا کرتے رہے جب تک کہ ان پر اس کے دشمن خدا ہونے کا پہلو روشن نہیں ہوا تھا۔ جب یہ پہلو روشن ہوا تو انہیں محسوس ہوا کہ کسی مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنا صحیح نہیں خواہ وہ باپ ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ احساس پیدا ہوتے ہی وہ دعا کرنے سے رک گئے۔ ابراہیمؑ کا یہ بعد کا عمل ہی اسوہ ہے۔

۲۱۱۔ یعنی ابراہیم چونکہ ایک دردمند اور بردبار انسان تھا اس لئے اس نے اپنے مشرک باپ کے ظالمانہ برتاؤ کو خاطر میں لائے بغیر اس کی پوری پوری خیر خواہی کی اور اس کی بدسلوکی کا جواب دعا سے دیا یہاں تک کہ اس پر یہ بات کھل گئی کہ وہ شرک سے باز آنے والا نہیں ہے اور شرک خدا سے دشمنی کے مترادف ہے۔

۲۱۲۔ یہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے کے بعد تم پر وہ تمام باتیں واضح کر دی ہیں جن سے تمہیں بچنا ہے اور جن میں یہ بات بھی شامل ہے

کہ تم اللہ کے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو اور ان کے لئے دعائے مغفرت نہ کرو خواہ وہ تمہارے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔

ان صریح ہدایات کے بعد بھی اگر تم نے ان کی پروا نہیں کی تو پھر یاد رکھو اللہ کا قانونِ ضلالت حرکت میں آسکتا ہے اور تم گمراہی میں پڑ سکتے ہو۔

۲۱۳۔ اور جب اللہ کی یہ صفات ہیں تو تمہیں تمام معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس کی ہدایات پر سختی کے ساتھ کاربند ہونا چاہئے اور اسی سے گہری وابستگی ہونی چاہئے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ
بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾
وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ
لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١١٨﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ
يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ
مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾
وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ
وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ
فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا
قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ
الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾

١١٧ اللہ نے معاف کیا نبی کو اور مہاجرین و انصار کو جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا ٢١٤ ؎ اور ایسی حالت میں دیا کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل کجی کی طرف مائل ہوجائیں۔ پھر اللہ نے انہیں معاف کردیا ٢١٥ ؎ ۔ بلاشبہ وہ ان کے حق میں بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

١١٨ اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کا معاملہ ملتوی کردیا گیا تھا ٢١٦ ؎ ۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ اللہ کے غضب سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے مگر اسی کے پاس۔ تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تاکہ وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔ ٢١٧ ؎ بلاشبہ اللہ ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانیوالا۔

١١٩ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کیساتھ ہوجاؤ۔ ٢١٨ ؎

١٢٠ مدینہ کے باشندوں اور اس کے اطراف میں بسنے والے بدوؤں کیلئے روانہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہتے اور اس کی جان سے بے پروا ہوکر اپنی جانوں کی فکر میں لگے رہتے ٢١٩ ؎ ۔ یہ اسلئے کہ اللہ کی راہ میں پیاس، تکان اور بھوک کی جو تکلیف بھی ان کو پہنچتی ہے اور کافروں کو غیظ و غضب میں مبتلا کرنے والا جو قدم بھی وہ اٹھاتے ہیں اور دشمن کو جو زک بھی وہ پہنچاتے ہیں اس کے بدلہ میں ان کیلئے ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ ٢٢٠ ؎ اللہ ان لوگوں کا عمل ضائع نہیں کرتا جو نیکوکار ہیں۔

١٢١ اور جو چھوٹا یا بڑا خرچ وہ کرتے ہیں اور جو وادی بھی وہ طے کرتے ہیں وہ سب ان کے حق میں لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے عمل کی انہیں بہترین جزا دے۔

١٢٢ اور یہ تو نہیں ہوسکتا تھا کہ سب اہل ایمان نکل کھڑے ہوتے۔ مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل آتے کہ وہ دین کا فہم حاصل کرتے اور جب واپس جاتے تو اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ بیدار ہوجاتے۔ ٢٢١ ؎

١٢٣ اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو تم سے قریب ہیں ٢٢٢ ؎ اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں ٢٢٣ ؎ ۔ اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ ٢٢٤ ؎

۲۱۴۔ متن میں تَابَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس لفظ کا فاعل جب اللہ ہو اور علیٰ کے صلہ کے ساتھ آئے تو اس کے معنیٰ معاف کرنے، توبہ قبول کرنے، رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے اور مہربان ہونے کے ہوتے ہیں۔ یہاں یہ لفظ اپنے وسیع مفہوم ہی میں استعمال ہوا ہے لیکن ترجمہ کے لئے کوئی ایسا لفظ ہمیں نہیں مل سکا جو اس کے پورے مفہوم پر حاوی ہو اس لئے اس کا ترجمہ ''اللہ نے معاف کیا'' کر دیا گیا ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر اہل ایمان سے جو قصور سرزد ہوئے تھے ان پر پچھلی آیات میں سخت گرفت کی گئی ہے لیکن جب ان میں اپنی غلطی کا احساس پیدا ہو گیا اور انہوں نے معافی مانگ لی تو انہیں قبولیت توبہ کی بشارت سنائی گئی اور اس بشارت کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ جو قصور بھی اس سے پہلے سرزد ہوئے تھے ان سب کے لئے معافی کا اعلان ہو گیا یہ گویا بارانِ رحمت تھی جس نے گرم فضا کو خوشگوار بنا دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک کے موقع پر جو بھول ہوئی تھی اس کا ذکر آیت ۴۳ میں گزر چکا وہ یہ کہ جن لوگوں نے استطاعت کے باوجود جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کی تھی آپ نے ان کو محض اپنی نرم دلی اور اپنے کریمانہ اخلاق کی بناء پر اجازت دیدی تھی۔ یہ ایک معمولی فروگذاشت تھی مگر۔

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار پر نظر رحمت فرمائی تو سب سے پہلے وہ اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نبی کی طرف متوجہ ہوا۔

تنگی کے وقت سے مراد غزوۂ تبوک ہے جس کی مشکلات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سخت گرمی کے زمانہ میں تقریباً سات سو کلومیٹر کا طویل سفر غذا اور پانی کی شدید قلت، سواری کا یہ حال کہ ایک اونٹ پر باری باری سے کئی افراد سوار ہوجاتے اور پھر مقابلہ روم کی زبردست طاقت سے۔ ایسے سخت وقت میں جن لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور اس کڑی آزمائش میں پورے اترے وہ جب مدینہ واپس لوٹے ہیں تو وہاں رحمتِ الٰہی ان کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ جو قصور ان سے سرزد ہوئے تھے وہ معاف کر دئے گئے اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

۲۱۵۔ اس کڑی آزمائش میں قریب تھا کہ بعض مخلصین سے بھی کمزوریوں کا صدور ہو جائے مگر ان کا خلوص ان کی کمزوریوں پر غالب آ گیا اور اللہ نے انہیں بھی معاف کر دیا۔

۲۱۶۔ یہ تین اشخاص کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ ہیں۔ یہ حضرات مخلص مؤمن تھے لیکن محض سستی اور غفلت کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے اس لئے ان کا معاملہ جیسا کہ آیت ۱۰۶ میں بیان ہوا ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اس آیت نے ان کی توبہ کی قبولیت کی بھی بشارت سنا دی۔

۲۱۷۔ کعب بن مالک نے جو ان تین اشخاص میں شامل ہیں اپنا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو بخاری اور دیگر کتب حدیث میں مذکور ہے۔ہم یہاں بخاری کی حدیث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں سے یہ کوتاہی ہوئی تھی کہ غزوۂ تبوک میں کسی معقول وجہ کے بغیر شریک نہیں ہوئے تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو پیچھے رہ جانے والوں نے آکر اپنے عذرات پیش کر دئے لیکن کعب بن مالک نے حاضر خدمت ہو کر صاف صاف عرض کیا کہ میرے لئے کوئی معقول عذر نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اب اٹھو اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں چلا گیا بعد میں معلوم ہوا کہ مُرارہ بن ربیعہ اور ہلال بن امیّہ جو بدری ہیں کا معاملہ بھی میری ہی طرح ہے۔ وہ دونوں گھر میں بیٹھ گئے اور روتے رہے اور میں باہر جاتا رہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے کلام کرنے سے منع کر دیا تھا اس لئے کوئی شخص بھی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔ ایک روز بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک شخص نے شاہِ غسان کا ایک خط میرے حوالہ کیا جس میں لکھا تھا کہ آپ کے رفیق نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر آپ ہمارے پاس آجائیں تو ہم آپ کی قدر کریں گے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے اس خط کو پڑھا تو کہا یہ بھی ایک آزمائش ہے اور اس خط کو چولہے میں جھونک دیا۔ جب چالیس روز گذر گئے تو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اپنی بیوی سے علیٰحدہ رہو۔ میں نے اس سے کہا کہ میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک اللہ اس معاملہ میں فیصلہ نہ فرما دے۔ اس حال میں

پچاس دن گزر گئے جبکہ میرا جینا دوبھر ہو گیا تھا اور زمین مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔ یکا یک ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو مجھے قبولیت توبہ کی بشارت دینے کے لئے آیا تھا میرے دونوں ساتھیوں کو بھی بشارت دینے کے لئے لوگ پہنچ گئے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔ آپ نے مجھے بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ آج کا دن تمہاری زندگی میں بہترین دن ہے۔ میں نے عرض کیا میری توبہ کی قبولیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال بطور صدقہ پیش کردوں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے کچھ اپنے لئے رکھ لو۔ میں نے عرض کیا خیبر والا حصّہ اپنے لئے رکھ لیتا ہوں۔ میں نے پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی، میری توبہ میں یہ بات شامل ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں گا سچ کے سوا کوئی بات نہ کروں گا۔ (بخاری کتاب المغازی)

واضح رہے کہ ان حضرات سے بات کرنے کی جو ممانعت عام مسلمانوں کو کی گئی تھی تو وہ ایک مخصوص معاملہ تھا جو ان حضرات کے ساتھ کیا گیا اور یہ سب کچھ وحی الٰہی کی رہنمائی میں انجام پایا۔ اس لئے اس کو کسی مسلمان کے معاشرتی بائیکاٹ کے لئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ کمزوریاں تو دوسرے مسلمانوں سے بھی سرزد ہوتی رہیں اور جس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اسے سزا بھی دیدی گئی لیکن بات نہ کرنے اور سلام کا جواب نہ دینے کا طریقہ کسی کے معاملہ میں بھی اختیار نہیں کیا گیا اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا وہ مخصوص تھا اور اس سے معاشرتی بائیکاٹ کا اصول اخذ کرنا صحیح نہیں۔

دوسری بات یہ کہ صحابہ سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور انہیں معاف بھی کر دیا گیا ہے اس لئے نہ تو انکی پچھلی غلطیوں پر انہیں مطعون کیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں معصوم عن الخطا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جب صحابہ معصوم نہیں تو "اماموں" کے معصوم ہونے کا عقیدہ جس پر مسلمانوں کے ایک فرقہ کو اصرار ہے کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

قرآن سے اس عقیدہ کا باطل ہونا بالکل واضح ہے۔

۲۱۸۔ اوپر جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوا کہ منافقوں نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا جس کے نتیجہ میں نفاق کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی بخلاف اس کے جن اہل ایمان سے قصور سرزد ہوا تھا انہوں نے سچائی کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا اس لئے ان کے اندر ایمانی جذبات اُبھرے اور انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔

سچائی اور راست بازی کی ان برکتوں کے پیش نظر عام مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ سچے اور راست باز لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ یعنی مخلص اور متقی مؤمنوں کے ساتھ ربط ضبط رکھو، ان کی رفاقت اختیار کرو، ان کی صحبت میں رہو اور دین کی اجتماعی جدوجہد میں ان ہی کی تائید و حمایت کرو۔ اور منافقانہ رویہ اختیار کرنے والوں سے بچ کر رہو۔

۲۱۹۔ غزوۂ تبوک سے بلا عذر پیچھے رہ جانے والوں پر گزشتہ آیات میں جو سخت گرفت کی گئی تھی اس کی اصل وجہ وہ ہے جو اس آیت میں بیان کر دی گئی ہے یعنی جہاد جیسے اہم اور نازک موقع پر ان کا اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دینا اور گھر بیٹھے رہنا۔ رسول تو اپنی جان جوکھوں میں ڈالدے اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے گوشۂ عافیت ڈھونڈیں۔

۲۲۰۔ یعنی جب جہاد کی یہ فضیلت ہے کہ قدم قدم پر اجر سمیٹا جا سکتا ہے اور اپنے دامن کو آخرت کی دولت سے بھرا جا سکتا ہے تو پھر اس راہ کی کوئی تکلیف تکلیف نہیں رہتی بلکہ سعادت کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس کا نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ آدمی کو جب یقین ہو جاتا ہے کہ وہ فلاں وادی کو طے کر کے گو ہر مقصود کو پا سکتا ہے تو پھر راہ کی صعوبتیں اس کے لئے آسان ہو جاتی ہیں اور وہ جوئے شیر لانے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے۔

۲۲۱۔ جو مسلمان مدینہ سے دور رہتے تھے ان کیلئے مجلس نبوی کی حاضری مشکل تھی اور اس مشکل نے ان کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں مسائل پیدا کر دئے تھے۔ ایک طرف اسلام کا حلقہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف تعلیم و تربیت کی کمی کی وجہ سے نام نہاد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اسی مسئلہ کا

حل اس آیت میں پیش کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ تمام مسلمان تو دین کا علم اور فہم حاصل کرنے کے لئے مدینہ نہیں آسکتے لیکن ہر بستی اور ہر قبیلہ کے لوگوں میں سے کچھ لوگ تو ایسے نکل سکتے ہیں جو مرکز علم میں آکر دین کا علم حاصل کریں اور اس میں سمجھ پیدا کریں اور پھر واپس جا کر اپنی بستی یا اپنے قبیلہ والوں کو اس سے آگاہ کریں تاکہ ان میں دین کا شعور پیدا ہو اور وہ نافرمانی اور گناہ کی باتوں سے بچیں۔

اس سے جو اصولی ہدایتیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱ علمِ دین بنیادی اہمیت رکھنے والی چیز ہے۔ لوگ اگر شرعی حدود سے واقف نہ ہوں تو وہ صحیح اسلامی زندگی بسر نہیں کر سکتے اور اگر دین کا شعور نہ ہو تو ان میں گناہ کی ذہنیت یہاں تک کہ کفر و نفاق بھی پرورش پا سکتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں میں علم دین کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

۲ علم دین کو عام کرنے کے لئے حالات کی مناسبت سے مختلف طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں ایک صورت یہ ہے کہ تعلیم و تربیت اور ارشاد و تدریس کے مرکز قائم کئے جائیں اور وہاں متعلقہ علاقہ کے ہر گوشہ سے لوگوں کی ایک تعداد پہنچ کر استفادہ کرے اور پھر اپنے اپنے مقام پر پہنچ کر عام لوگوں کو دین کی تعلیمات سے واقف کرانے کی کوشش کرے۔

موجودہ زمانے میں یہ کام مقامی طور سے بھی انجام پا سکتا ہے۔ مثلاً مساجد میں قرآن و حدیث کے درس کا سلسلہ، دینی اجتماعات، مدارس وغیرہ۔

۳ دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت بچوں کے لئے بھی ہے اور بڑوں کے لئے بھی اس لئے بڑوں کو نظر انداز کر کے صرف بچوں کی تعلیم پر اکتفا کرنا صحیح نہیں۔ آیت میں اصلاً بڑوں میں دین کا شعور پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۴ دین کی تعلیم میں اصل اہمیت تَفَقُّہ کو ہے یعنی اس بات کو کہ دین کی سمجھ پیدا ہو جائے۔ یہ مقصد رسمی قسم کی تعلیم دینے یا محض فقہی معلومات بہم پہنچانے سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے ایسی تعلیم کی ضرورت ہے کہ آدمی اپنے رب کو پہچان لے۔ اپنے مقصدِ زندگی سے آشنا ہو جائے اور یہ بات اس کے ذہن نشین ہو جائے کہ دین اس سے مخلصانہ پیروی کا مطالبہ کرتا ہے اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور سے اللہ کے حوالہ کر دیا جائے۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی زندگی کے خدوخال کیا ہیں، شرعی حدود کی پاسداری کا مطلب کیا ہے، تقویٰ کی حقیقت کیا ہے اور قرآن نے کن لوگوں کو متقی کہا ہے۔

۵ تعلیم و تربیت کا اصل مقصد لوگوں کو غیر اسلامی زندگی کے نتائج بد سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان میں آخرت کی جوابدہی کا احساس پیدا ہو اور صحیح اسلامی زندگی گزارنے کے لئے وہ آمادہ ہو جائیں۔

۶ دین کا ٹھوس علم اور اس کی سمجھ اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے۔ جب کہ قرآن کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

۷ علم دین کے لئے اگر ضروری ہو تو سفر کرنا چاہئے۔

۲۲۲۔ جہاد سے متعلق یہ آخری حکم ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے اور اس سے یہ بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے کہ اگرچہ عرب پر اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا ہے لیکن اس سے امت مسلمہ کی ذمہ داریاں ختم نہیں ہوئیں۔ وہ جس مقصد کے لئے برپا کی گئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ جہاد کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے تاکہ بتدریج اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے اور وہ ایک غالب طاقت بن جائے۔ اس کی عملی شکل یہ ہوگی کہ کافروں کا جو علاقہ یا جو ملک اسلامی ریاست کی حدود سے قریب اور متصل ہو اس سے پہلے جنگ کی جائے اور اس کے بعد اسی نسبت سے جو قریب ہو اس سے۔

یہ حکم مطلق ہے اس لئے دفاعی جنگ تک اس کو محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی ریاست اپنے حالات اور مسائل کے مطابق اقدام کرنے کی مجاز ہے۔

رئیس المفسرین ابن جریر طبری نے بھی اس کو مطلق معنیٰ ہی میں لیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دار کے لحاظ سے جو (کفار) تم سے اقرب ہوں ان سے تم پہلے لڑو پھر ان سے جو اس کے بعد اقرب ہوں۔ دور کے کافروں سے نہیں اس وقت اس آیت کے مخاطبین سے قریب تر رومی تھے کیونکہ وہ شام میں آباد تھے اور شام مدینہ سے عراق کی بہ نسبت قریب تھا'' (تفسیر طبری ج ۷ ص ۵۲)

اور معاصر مفسر سید قطب فرماتے ہیں:

''اس حکم میں کافروں کے مسلمانوں پر زیادتی کرنے اور ملک پر جارحانہ حملہ کرنے کا کہیں ذکر نہیں ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ آخری حکم تھا جو اس دین پر عمل درآمد کو بنیاد قرار دیتا ہے اور اسی سے جہاد کا اصول نکلا ہے۔ یہ ان احکام کی طرح جو مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے ابتدائی مرحلہ سے تعلق رکھتے تھے محض دفاع سے تعلق رکھنے والا حکم نہیں ہے۔

بعض لوگ جو آج اسلام کے بین الاقوامی تعلقات اور اسلام میں جہاد کے احکام پر بحث کرتے ہیں نیز بعض وہ جو جہاد سے متعلق آیات قرآنی کی تفسیر سے تعرض کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ اس آخری نصِ قرآنی کو ان کے ساتھ مشروط مانیں جو سابق مرحلہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور اس کے لئے زیادتی کے وقوع یا اندیشہ کی قید لگائیں حالانکہ نصِ قرآنی اپنی جگہ بالکل مطلق ہے اور (جہاد کے باب میں) یہ آخری نص ہے۔'' (فی ظلال القرآن ج ۳ ص ۱۷۳۷)

یہ اقدامی جنگ انسانیت کو جہالت کی تاریکیوں سے نکالنے، انسانوں کی غلامی سے آزاد کرنے اور کفر کی تباہ کاریوں سے نجات دلانے کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس میں اور ملک گیری کے لئے لڑی جانے والی جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند روز قبل اسامہ بن زید کی قیادت میں جو لشکر رومیوں کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ کیا تھا وہ اسی ارشادِ الٰہی کی تعمیل تھی اور بعد میں یرموک وغیرہ کے جو معرکے پیش آئے وہ بھی اسی حکم کی تعمیل میں تھے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے نوٹ ۵۷۔

۲۲۳۔ یعنی وہ جان لیں کہ تم کافروں پر سخت ہو اور باطل کے آگے جھکنے والے نہیں ہو۔ ان کے معاملہ میں تمہارے اندر ڈھیلا پن نہیں ہونا چاہئے کہ وہ تمہیں نرم چارہ سمجھنے لگیں بلکہ تمہارے اندر ایسی پختگی اور صلابت ہونی چاہئے کہ انہیں اندازہ ہو جائے کہ یہ لوہے کے چنے ہیں جنہیں چبانا آسان نہیں۔

اسی ہدایت کا اثر تھا کہ مسلمان فارس و روم کی عظیم طاقتوں کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہوئے اور نہ کسریٰ کو خاطر میں لایا اور نہ قیصر کو۔

۲۲۴۔ لہٰذا کافروں سے جنگ کرتے وقت اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے ہوئے تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور یہ سارے کام شرعی حدود میں رہ کر انجام دینے چاہئیں۔

تمہارے پاس ایک رسول آگیا ہے جو تم ہی میں سے ہے تمہارا
تکلیف میں پڑنا اس پر شاق ہے وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند
ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے شفیق و رحیم ہے۔اس پر بھی اگر
یہ لوگ منہ پھیرتے ہیں تو ان سے کہد و میرے لئے اللہ کافی ہے۔
اس کے سوا کوئی خدا نہیں ۔اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش
عظیم کا مالک ہے۔(القرآن)

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ
زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ
إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾

١٢٤ اور جب کوئی سورہ اُترتی ہے ٢٢٥ تو ان میں سے بعض کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟ تو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے ایمان میں اس نے ضرور اضافہ کیا ہے۔ ٢٢٦ اور وہ اس سے بشارت حاصل کرتے ہیں۔

وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا
إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿١٢٥﴾

١٢٥ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے ان کی نجاست پر اس نے ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیا اور وہ اس حال پر مرے کہ کافر تھے۔ ٢٢٧

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِى كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ
مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

١٢٦ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ پھر بھی یہ ہیں کہ نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ سبق حاصل کرتے ہیں۔ ٢٢٨

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ
يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ ٱنصَرَفُوا۟ ۚ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم
بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾

١٢٧ اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا پھر چل دیتے ہیں ٢٢٩۔ اللہ نے ان کے دل پھیر دئے ہیں کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ
مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾

١٢٨ تمہارے پاس ایک رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے ٢٣٠ تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق ہے ٢٣١ وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے ٢٣٢ اور ایمان لانے والوں کے لئے شفیق و رحیم ہے۔ ٢٣٣

فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُلْ حَسْبِىَ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

١٢٩ اس پر بھی اگر یہ لوگ منہ پھیرتے ہیں ٢٣٤ تو ان سے کہہ دو میرے لئے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ٢٣٥۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

۲۲۵۔ جس طرح اوپر کی آیت میں آخری حکم تھا جو کافروں کے بارے میں اہل ایمان کو دیا گیا۔ اسی طرح ان چند آیتوں میں منافقوں کے بارے میں آخری باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔ ان منافقین کے بارے میں جن کا ذکر اس سورہ میں تفصیل سے ہوا ہے۔

۲۲۶۔ ایمان میں اضافہ سے مراد کیفیتِ ایمانی میں اضافہ ہے۔ اس کی تشریح سورۂ انفال نوٹ ۳۔ میں گزر چکی۔

۲۲۷۔ یعنی جن کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا ان کے اس خبث باطنی میں نئی سورہ کے نزول سے اضافہ ہی ہوا۔ جس شخص کی آنکھ ہی بیمار ہو اس کو سورج کی روشنی فائدہ نہیں پہنچا سکتی بلکہ اس کی تکلیف میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ یہ منافقین نہایت گھناؤنے مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے کو صحت مند خیال کرتے تھے اور جب انہیں علاج کی طرف توجہ دلائی جاتی تو وہ اپنے صحت مند ہونے کا دعویٰ کرتے۔ نتیجہ یہ کہ وہ قرآن سے اس کے نسخۂ شفا ہونے کے باوجود کوئی فائدہ اٹھا نہ سکے اور سورۂ براءۃ جیسی ضمیر کو جھنجھوڑنے والی سورہ سے بھی ان کے اندر بیداری پیدا نہ ہوسکی۔

۲۲۸۔ یعنی سال میں ایک دو مرتبہ کوئی نہ کوئی آزمائش ضرور پیش آتی رہتی ہے کبھی جہاد کی شکل میں اور کبھی کسی اور شکل میں تاکہ یہ آزمائشیں توبہ اور اصلاح کا ذریعہ بنیں لیکن ان منافقوں کے دل ایسے سخت ہوگئے ہیں کہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور ان کی عقل چونکہ ماری گئی ہے اس لئے کسی واقعہ اور کسی حادثہ سے وہ سبق حاصل نہیں کرتے۔

۲۲۹۔ منافقین اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کے لئے مجلس نبوی میں شریک تو ہوتے تھے لیکن جب کوئی ایسی سورہ نازل ہوتی جس میں منافقین کو بے نقاب کیا گیا ہے تو ان کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگتیں اور وہ اپنے ساتھیوں سے اشارہ میں کہتے کہ تم کو اس حال میں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے اور پھر موقع پا کر نکل جاتے۔ ان کی اسی حالت کی تصویر اس آیت میں کھینچی گئی ہے۔

۲۳۰۔ یہ آخری دو آیتیں نزولِ قرآن کے اعتبار سے بجز سورۂ نصر کے اللہ کا آخری کلام ہیں جن میں الوداعی پیام دیا گیا ہے۔ رسول کی بعثت اگرچہ اہل عرب کی طرف براہِ راست ہوئی تھی مگر بالواسطہ آپ کی رسالت تا قیامت تمام اقوام کے لئے ہے۔

''تم ہی میں سے ہے'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ رسول عربوں ہی میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانوں ہی میں سے ہے اس لئے تمام انسان بہ آسانی اس سے مانوس ہوسکتے ہیں۔ کسی بھی قوم کو اس سے قریب ہونے میں اجنبیت محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ رسول، اللہ کا قاصد ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ اپنائیت برتنے میں ملک وقوم کی دیواریں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔

۲۳۱۔ یعنی وہ تمام انسانوں کے لئے ایک دردمند دل رکھتا ہے اس لئے تم کو ہلاکت سے بچانے کے لئے بے چین ہے اور یہ تصور اس کے لئے سخت تکلیف دہ ہے کہ تم جہنم میں ابدی سزا بھگتنے کے لئے جھونک دئے جاؤ۔

۲۳۲۔ یعنی وہ انسانیت کا خیر خواہ ہے اور چاہتا ہے کہ تم بھلائی کی راہ اختیار کرکے اپنے دامن کو خیر سے بھر دو اور آخرت میں بامراد ہوجاؤ۔

۲۳۳۔ ایمان لانے والوں میں عربی بھی تھے اور عجمی بھی اور ان سب کے حق میں پیغمبر شفیق اور مہربان تھے۔ صہیب رومی، سلمان فارسی اور بلال حبشی سب نورِ نبوت کے پروانے تھے اور آپ کا فیض قومیت کے امتیاز کے بغیر تمام اہل ایمان کے لئے عام تھا۔

۲۳۴۔ یعنی اس شان کا جو رسول ان کی طرف بھیجا گیا ہے اس کی اگر لوگ قدر نہیں کرتے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں تو۔۔۔۔۔۔۔

۲۳۵۔ یہ آخری بات ہے جو رسول کی زبان سے کہلوائی گئی ہے اس میں توحید کے ساتھ استغناء اور توکل کی شان کا بھی اظہار ہے۔ رسول نے دعوت کا آغاز توحید سے کیا تھا اور الوداعی پیغام میں بھی توحید ہی کو پیش کیا ہے۔